راہِ معرفت

کائنات انسان قیامت

- تخلیقِ کائنات اور اس کا حیرت انگیز نظام
- حیاتِ انسانی کے لئے خالق کی نعمتوں اور حکمتوں کا بیان
- قیامت کا ظہور اور جنّت و جہنّم کے احوال

تالیف

مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویۃ ۔ جامعہ مخزن العلوم

قدیمی کتب خانہ

آرام باغ کراچی

راہِ معرفت

کائنات انسان قیامت

- تخلیقِ کائنات اور اس کا حیرت انگیز نظام
- حیاتِ انسانی کے لئے خالق کی نعمتوں اور حکمتوں کا بیان
- قیامت کا ظہور اور جنّت و جہنّم کے احوال

تالیف

مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویۃ ۔ جامعہ مخزن العلوم

قدیمی کتب خانہ ۔ مقابل آرام باغ ۔ کراچی ۱

جملہ حقوق طبع بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب.................... راہِ معرفت

مؤلف.................... مولانا کمال الدین المسترشد

کمپوزنگ.................... الشمس دارالکتابت

فون: 0300-2426745

طبع.................... دوم

تعداد.................... ۱۰۰۰

الناشر

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔ کراچی

فون: 021-2627608

021-2623782

فہرست عنوانات

نمبر	عنوان مضمون	صفحہ
۱	حرف آغاز	۶
۲	(**پہلا باب**) کائنات کی تخلیق اور اس کا حیرت انگیز نظام	۱۱
۳	عالم بالا	۱۴
۴	عالم اور عرش کی ہیئت	۱۵
۵	کرسی	۱۷
۶	لوح محفوظ	۱۷
۷	فرشتوں کا بیان	۱۸
۸	فرشتوں کی تعداد	۲۰
۹	نظام شمسی	۲۰
۱۰	ستاروں کی تعداد	۲۱
۱۱	نظام شمسی کا نقشہ	۲۳
۱۲	اشکال اور اس کا حل	۲۸
۱۳	اہم تنبیہ	۳۱
۱۴	عالم سفلی	۳۲
۱۵	زمین کے قدیم حصے جغرافیہ کے تناظر میں	۳۴
۱۶	کرۂ ارض کے حصے جدید جغرافیہ کی روشنی میں	۳۶
۱۷	کرۂ ارض کے فرضی خطوط کا نقشہ	۳۷
۱۸	حکمت باری تعالیٰ	۳۹
۱۹	(**دوسرا باب**) انسان کی پیدائش اور اس کا مقصد	۴۲
۲۰	انسانی زندگی کا آغاز	۴۷

نمبر	عنوان مضمون	صفحہ
۲۱	ربوبیت اور انسانی فطرت	۴۹
۲۲	انسان سے پہلے زمین پر زندگی	۵۰
۲۳	کائنات انسان کے لئے اور انسان عبادت کے لئے ہے۔	۵۰
۲۴	کم عقلوں کی کثرت میں اللہ کی حکمت	۵۱
۲۵	ہر چیز عقل میں نہیں آ سکتی۔	۵۴
۲۶	ادراک کے مختلف مراتب	۵۶
۲۷	انسان کی فطرت میں مختلف عناصر کی حکمت	۶۰
۲۸	جنتوں کے درجات مختلف ہیں	۶۲
۲۹	مرد اور عورت	۶۲
۳۰	بعض لوگوں میں مخالف جنس کے اثرات پائے جاتے ہیں	۶۵
۳۱	مذکورہ قاعدے کی دلیل	۶۶
۳۲	لڑکیوں کی شرح پیدائش میں اضافے کا سبب	۶۷
۳۳	عریانی اور فحاشی شرح پیدائش میں اضافے کا سبب	۶۸
۳۴	فطری دین پر تنقید اور اس سے پہلو تہی کا سبب	۶۹
۳۵	جب مریض لاعلاج قرار پائے تو موت کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔	۶۹
۳۶	علامات قیامت	۷۲
۳۷	(**تیسرا باب**) قیامت کے احوال اور انسان کا انجام	۸۵
۳۸	عقیدۂ قیامت	۸۵
۳۹	قیامت کا ظہور اور نفخہ اولی	۹۰
۴۰	دونوں نفخوں کے درمیان وقفہ	۹۳
۴۱	نفخۂ دوم	۹۵
۴۲	میدان محشر کا منظر	۹۹
۴۳	حوض کوثر	۱۰۲

نمبر	عنوان مضمون	صفحہ
۴۴	شفاعت کبریٰ	۱۰۳
۴۵	عدالت عالیشان	۱۰۶
۴۶	عدالتی کاروائی	۱۰۹
۴۷	اہم تنبیہ	۱۱۷
۴۸	قیامت کے روز سب سے پہلا فیصلہ ریاکار کے خلاف ہوگا	۱۲۰
۴۹	قیامت کے دن مفلس کون ہوگا؟	۱۲۳
۵۰	مشترک سوالات	۱۲۶
۵۱	اجمالی نقشہ	۱۲۸
۵۲	فریب کاری کی سب سے بڑی اور کڑوی مثال	۱۳۱
۵۳	اعضاء کی گواہی	۱۳۵
۵۴	روبہ منزل	۱۳۷
۵۵	پل صراط اور سجدہ	۱۳۹
۵۶	اشکال اور اس کا حل	۱۴۰
۵۷	احوال جہنم	۱۴۵
۵۸	دوزخ کے طبقات اور جنت کے درجات	۱۴۸
۵۹	آگوں کی آگ کا مختصر تعارف	۱۵۰
۶۰	دوزخیوں کا کھانا پینا	۱۵۲
۶۱	اعراف والے	۱۵۴
۶۲	موت کا خاتمہ	۱۵۷
۶۳	جنات النعیم	۱۵۷
۶۴	آخری گذارش	۱۶۵

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

حرفِ آغاز

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

"بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور غور وفکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں۔ کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔"

(آل عمران آیت: ۱۹۰۔۱۹۱)

اللہ عزوجل کی مخلوق اور کائنات میں غور وخوض کرنا بذات خود ایک بڑی عبادت بھی ہے اور دیگر عبادات بلکہ ایمانیات کی تکمیل کا بڑا ذریعہ بھی۔ آدمی کو کائنات کے متعلق جتنا زیادہ علم حاصل ہوگا جتنا بسیار مشاہدہ اور مطالعہ ہوگا اسی تناسب سے اسے معرفت باری تعالیٰ نصیب ہوگی۔ اس کے برعکس جو شخص کائنات کے نظام اور عظمت وقدرت سے ناواقف ہوگا وہ اللہ کی کبریائی سے لاعلم اور معرفت باری سے محروم ہوگا۔

اس لئے بعض اہل عرفان نے کہا ہے من لم یعرف الھیئۃ و التشریح فھو عنین فی معرفۃ اللّٰہ تعالٰی یعنی جو شخص عالم کی ہیئت اور نظام کائنات سے بے بہرہ ہو وہ اللہ کی معرفت سے محروم ہوتا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلاف کے نزدیک عالم کے نظام اور حکمتوں کے بارے میں سوچنا، غور کرنا اور اس سے باری تعالیٰ کی قدرت وحکمت پر استدلال کرنا بڑی عبادت ہے، چنانچہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''ایک ساعت کا تفکر رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے''۔ سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: ''فکر ایک نور ہے جو تمہارے دل میں داخل ہوتا ہے'' اور حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''خوشخبری ہے اس کے لئے جس کا بولنا اللہ کی یاد ہو اور خاموش رہنا تفکر ہو اور دیکھنا عبرت کے لئے ہو''۔

لقمان حکیم نے فرمایا: ''تنہائی فکر کا الہام کرتی ہے اور زیادہ سوچنا جنت کے دروازوں کے راستوں کی دلیل یعنی راہنما ہے''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ عز وجل کا ذکر بہت عمدہ کام ہے اور اللہ کی نعمتوں کی بابت سوچنا افضل ترین عبادت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ جب اپنے دل کو نصیحت فرماتے تو کسی ویران گھر پر تشریف لے جاتے اور غمزدہ آواز میں ندا دیتے تمہارے رہائشی کہاں ہیں؟ پھر اپنے دل کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے ''کل شیٔ ھالك الا وجھہ'' (اللہ کی ذات کے سوا باقی تمام اشیاء ہلاک ہو جاتی ہیں) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''تفکر کے ساتھ دو رکعت نماز میانہ ساری رات کی اس نماز سے بہتر ہے جس میں دل غافل ہو''۔ بعض عقلاء کہتے ہیں جس نے دنیا کی طرف (یعنی دنیا کی کسی چیز کی طرف) بغیر

عبرت کے دیکھا تو اس غفلت کے بقدر اس کے دل سے نور بصیرت سلب کیا جاتا ہے اور متعدد صحابہؓ کا مقولہ ہے کہ تفکر ایمان کا نور ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص: ۴۳۸ ج:۱)

اس غور وخوض سے جہاں ایک طرف اللہ کی معرفت اور اس کی کبریائی کا علم حاصل ہوتا ہے وہیں دوسری جانب اپنی کمزوری اور عبدیت کا اقرار بھی لازم ہو جاتا ہے جس سے اللہ کے حکموں کا ماننا آسان ہو جاتا ہے۔

کائنات کے اجزاء پر نظر ڈالنے سے اگر ایک طرف اللہ کی حکمتوں کا راز کھل جاتا ہے تو دوسری جانب ان کی بے بسی اور فرمانبرداری کی حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

یہ سورج اور چاند قرنہا ئے دہر گذرنے کے باوجود اپنی ڈیوٹی میں ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے' آخر یہ کس قدرت کے حکم پر چلتے ہیں؟ ان کے سامنے کونسا مقصد ہے جسے یہ پورا کرنا چاہتے ہیں' یہ رات دن مسلسل رواں دواں ہیں ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑتے رہتے ہیں یہ بالآخر کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں گرمی اور سردی کے یہ موسم اپنے اپنے وقت پر آتے جاتے ہیں یہ کیا پیغام ساتھ لاتے ہیں؟

ہمارے سامنے عالم مشاہدہ کی بہت ساری اشیاء جنم لیتی' قوت پاتی' بڑھتی اور پھر مٹتی ہیں یہ ہمیں کس چیز کا درس دیتی ہیں ایک عاقل اور ہوشمند آدمی کو تو عبرت حاصل کرنے کے لئے ایک نمونہ بھی کافی ہو جانا چاہئے' اسی لئے تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر قرآن میں سے فقط سورہ عصر نازل ہوتی تو بھی ہدایت کے لئے کافی ہو جاتی'' بلکہ اگر صرف والعصر پر یکسو ہو کر غور کیا جائے تو بھی رہنمائی مل سکتی ہے بایں معنی کہ صبح سورج اپنی پوری تازگی اور خوبصورتی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ بلندی اختیار کرتا ہوا نصف النہار کے سب سے بلند نقطہ پر آپہنچتا ہے پھر چاروناچار اتر کر

دھیرے دھیرے غروب کی جانب گامزن ہوتا ہے عصر کے وقت دیکھو کہ صبح اور دوپہر کے مقابلہ میں کتنا کمزور اور مضمحل ہو جاتا ہے کچھ وقت پہلے وہ آنکھوں کے لئے چیلنج بنا ہوا تھا اس پر نظر جمانا گویا اپنی نگاہ سے دشمنی تھی اب وہ زرد رکابی نما سیارہ ڈوبنے لگا ہے پھر ایسا غائب ہوتا ہے کہ کوئی نشان بھی نہیں چھوڑتا۔

ٹھیک اسی طرح اے انسان! تم بھی اپنے مہد سے لحد تک تمام مراحل پر نظر ڈالو کہ تم کتنے طاقتور ہو کہ جب سورج خود کو فنا سے بچا نہ سکا تو تم اپنے کو کیسے بچا سکو گے؟ پھر اگر سورج نے کوئی غرور نہیں کیا اور کوئی بغاوت و سرکشی کا راستہ نہیں لیا وہ ایک ہی سمت حرکت کرتا ہے ایک ہی خط پر چلتا ہے اپنی قوت شہرت اور بے شمار مخلوقات کی اہم ضرورت کے باوجود تکبر نہیں کرتا تو اے انسان! تم اس سے بے انتہا چھوٹے ہو اپنی قدر پر نازاں نہ ہو تم اپنے کمال اور جمال کو دیکھ کر مستی نہ کرو نہ تو تم زمین پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑ کی مانند بلند و مضبوط بن سکتے ہو تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ اپنا مقام اور حیثیت جان لو تمہارا فرض کیا بنتا ہے اور تم کس کام میں لگے ہو؟ اللہ عزوجل نے یہ سب چیزیں تمہارے تابع بنادی ہیں اس لئے کہ تم آرام سے اپنا وقت پورا کر کے کچھ کر لو اگر یہ سمندر تم پر امڈ آئے' یہ ہوائیں طوفان برپا کر دیں' یہ زمین ڈگمگانے لگے یا جنگلوں کے جانور تم پر حملہ آور ہو جائیں یا سورج گرمی تیز کر دے یا بارش بند ہو جائے یا اتنی برسے کہ سارا جہاں پانی پانی اور کیچڑ بن جائے یا سردی اتنی بڑھ جائے کہ سب مائع اشیاء جم جائیں یا مسلسل اندھیرا چھا جائے کبھی اجالا نہ ہو پھر تم اپنا کام کاج نہ کر سکو یا سارا زمانہ دن بن جائے پھر تمہیں آرام کے لئے تاریکی نصیب نہ ہو یا زمین اتنی سخت ہو جائے کہ اس پر گھر بنانا محال ہو جائے' اس میں کاشت کاری ناممکن

ہو جائے یا اتنی نرم ہو جائے کہ اس پر چلنا مشکل اور دیوار کھڑی کرنا دشوار ہو جائے یا پانی کھاری اور کڑوا بن جائے جسے پینا عذاب بن جائے۔ اس سے زیادہ نعمتیں تمہارے جسم میں ہیں ان میں غور کرو۔ آخر یہ سب کچھ تمہیں کیسے مل گیا؟ کیا تم نے ان کے حصول کے لئے کچھ مشقت اٹھائی تھی؟ تم اس کا کیا بدلہ دیتے ہو؟ اگر یہ ساری نعمتیں محض اللہ کی طرف سے بطور انعام ہیں تو یہ کس محنت اور کمال کا انعام ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم احسان فراموش ہیں؟ اگر نہیں تو ان احسانات کا بدلہ کیا ہونا چاہیے؟ خود غور کرو اور خود فیصلہ کرو یا پھر اپنا فیصلہ قیامت پر چھوڑ دو جو بدلے کا دن ہے سزا اور جزاء کا دن ہے اگر دنیا میں ان نعمتوں کے بارے میں نہیں پوچھا گیا تو اس دن ضرور پوچھا جائے گا۔ پھر دنیا کی طرح وہاں بھی دو فریق بنیں گے ایک وہ جس نے ان نعمتوں کی قدر کی تھی دوسرا وہ جو یہاں بھی اندھا تھا وہ وہاں بھی اندھا ہی رہے گا پھر ان کے لئے الگ الگ منزلیں ہیں جنہیں جنت اور دوزخ کہتے ہیں ہر ایک کو اپنی منزل پر جانا ہو گا یا تو خوشی خوشی یا انتہائی دکھ تحقیر اور زبردستی سے وہاں نہ لوٹنے کا راستہ ہے نہ کسی اور جگہ کی طرف کوئی سرنگ ہے نہ وہاں موت ہے اور نہ ہی فنا۔ وہ دار البقاء ہے۔

اس کتاب میں نہایت اختصار کے ساتھ اسی موضوع کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس میں تفصیل کے بجائے اجمالاً عالم بالا اور عالم سفلی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جس کے پڑھنے سے غور و فکر کا صحیح راستہ مل جاتا ہے اس کو بغور پڑھنے اور سمجھنے سے ان شاء اللہ ایسا ملکہ حاصل کیا جا سکے گا کہ پھر ہر چیز میں حکمت و قدرت نظر آئے گی۔

اس کا پہلا باب اسی بحث پر مشتمل ہے دوسرا انسانی روئیداد پر اور تیسرا اس عالم کے خاتمے اور آخرت کی اجمالی منظر کشی پر۔ وما توفیقی الا باللہ

پہلا باب

کائنات کی تخلیق اور اس کا حیرت انگیز نظام

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل کے واقعات کی ترتیب اور تفصیل میں روایات میں بظاہر کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق مخلوقات میں سب سے پہلے عرش کی تخلیق ہوئی جبکہ بعض روایات کی رو سے پانی عرش پر مقدم ہے اس آیت ''وکان عرشہ علی الماء'' اس کا عرش پانی پر تھا' سے اسی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا پھر کرسی' پھر عرش' پھر ہوا' پھر نور وظلمت اور آخر میں پانی کی تخلیق فرما کر عرش کو اسی کے اوپر رکھ دیا۔

بہر حال یہ یقینی ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق مذکورہ بالا اشیاء سے مؤخر ہے ان میں پہلے زمین پیدا فرمائی مگر اس میں ابھی اگانے کی صلاحیت ودیعت نہیں فرمائی تھی کیونکہ زمین بنسبت آسمان کے مادہ کی حیثیت رکھتی ہے جو نر کے بغیر کچھ پیدا نہیں کرسکتی جب آسمان پیدا فرمائے تو زمین بارشوں کے ذریعے قابل کاشت بن گئی۔ پھر زمین پر سورج کی وساطت سے دن رات کا نظام جاری فرمایا تاکہ لوگ دن کو معاش اور رات کو آرام کرسکیں' دن رات کا یہ فرق زمین اور زمین سے متصل فضا

میں ہے اس سے اوپر دن رات کا فرق نہیں۔ زمانہ سورج کی اس حرکت سے پیدا ہوتا ہے جو وہ اپنے مدار میں شرقاً وغرباً کرتا ہے سورج زمین کے جس منطقے کے محاذات سے گذرتا ہے وہاں روشنی پھینکتا ہے اور جو حصہ پیچھے چھوڑتا ہے یا اس کی روشنی کی پہنچ سے دور جو علاقے ہوتے ہیں وہ اندھیرے میں ڈوبے رہتے ہیں۔

نوٹ:۔ اگرچہ حقیقت میں تو زمین سورج کے گرد گھومتی ہے تاہم قارئین کی سہولت کے پیش نظر سورج کو متحرک فرض کیا جاتا ہے۔

لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ تخلیق کے وقت کوئی زمانہ نہیں تھا ہاں البتہ عالم کے وجود میں آنے سے قبل اور اس کی خرابی کے بعد جو اوقات مقرر کئے گئے ہیں ان کا ایک یوم دنیوی حساب کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق عنداللہ چھ دنوں میں ہوئی ان کا پہلا دن اتوار اور آخری جمعہ ہے جن کے نام بالترتیب یہ ہیں احد' اثنین' ثلاثاء' اربعاء' خمیس اور جمعہ وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

ایک روایت کے مطابق ان کے نام بالترتیب المذکور یہ ہیں ابجد' ہوز' حطی کلمن' سعفص اور قرشت۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف لغات کے اختلاف کی وجہ سے ممکن ہے۔

اس بارے میں کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ پہلے دو دن یعنی اتوار اور پیر کو زمینوں کی تخلیق ہوئی' منگل اور بدھ کو اس کے پہاڑ اور معادن وغیرہ پیدا کئے گئے۔ یہ کل چار دن ہوئے' جمعرات کے دن آسمانوں کی خلقت کا کام ہوا اور جمعے کے دن عصر تک اس میں سورج اور چاند تارے وغیرہ کی تخلیق ہوئی اور عصر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ عرصہ اگرچہ کئی سالوں پر مشتمل تھا مگر دوسرے امور کی بنسبت

بہت مختصر تھا اس لئے اللہ جل شانہ نے فرمایا۔'' خلق الانسان من عجل ''۔ تاہم تخلیق آدم میں یہ بھی امکان ہے کہ ان کو بعد کے کسی جمعے کی عصر میں پیدا فرمایا ہو۔

زمینوں اور آسمانوں کی مذکورہ ترتیب سورہ حم السجدہ کی آیت نمبر ۹ تا آیت ۱۳ کے مطابق ہے اور سورہ نازعات میں جو ہے کہ "والارض بعد ذالك دحٰها" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو آسمانوں کی تخلیق کے بعد اگانے کے قابل بنایا جس کی دلیل مابعد کی آیت ہے'' اخرج منها ماء ها و مرعاها '' باہر نکالا اس سے اس کا پانی اور چارا' کیونکہ آسمان میں سورج' چاند و دیگر ستارے پیدا کیے گئے جسکی بناء پر زمانہ پیدا ہوا مختلف موسم معرض وجود میں آئے بارشوں کا سلسلہ جاری ہوا اور گرمی وسردی پڑنے لگی۔

اس رطوبت اور خوشگوار موسم کی بدولت نباتات اگنے لگے پھر وہ پھلتے رہے پھر دھوپ سے ان کا پھل پکتا ہے چاند کی وجہ سے رنگ پکڑتا ہے اور تاروں سے ذائقہ اخذ کرتا ہے۔

پھر آسمانوں کے مواد کو اللہ عزوجل نے دخان سے تعبیر فرمایا جو درحقیقت پانی کی گیسوں اور دھویں کا مرکب تھا اسے شق کر کے سات آسمان بنا دیئے۔

ایک دفعہ یہود کی ایک جماعت نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اس عالم کی تخلیق کے حوالے سے سوال کیا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل ارشاد فرمائی اس پر انہوں نے مزید پوچھا: ''ثم ماذا یا محمد؟'' کہ اے محمد پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا "ثم استویٰ علی العرش "انہوں نے کہا درست فرمایا لیکن اگر پوری بات کہتے اور اس کے ساتھ انہوں نے اپنی طرف سے کہا کہ ''ثم استراح ''یعنی ان امور سے فراغت کے بعد اللہ جل شانہ نے آرام فرمایا اس

پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غضبناک ہوئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ

''اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں اور ہم کو نہ ہوئی کچھ تھکان سو تو سہتا رہ جو کچھ وہ کہتے ہیں۔''

(تاریخ طبری ج:۱ص:۲۱)

عالم بالا:۔

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطحاء میں بیٹھے تھے کہ بادل کا ایک ٹکڑا گذر گیا جسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ ''بادل ہے'' آپ نے فرمایا یہ مزن (سفید بادل) ہے ہم نے کہا ''مزن ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا ''عنان ہے'' حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم خاموش ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک کی مسافت بھی پانچ سو برس ہے اور ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے کہ جس کے نیچے (تہ) سے اوپر کی سطح تک (گہرائی) کا فاصلہ اتنا ہے کہ جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے (یعنی پانچ سو سال) پھر اس سمندر کے اوپر آٹھ اوعال (فرشتے) ہیں جن کے گھٹنوں اور کھروں کے درمیان کی مسافت زمین اور

آسمان کے درمیانی فاصلے کی بقدر ہے پھر ان کی پشتوں پر عرش ہے جس کے نیچے اور اوپر کے درمیان فاصلہ زمین و آسمان کے مابین فاصلے کے جتنا ہے۔(البدایہ والنہایہ ج:اص:ا بحوالہ مسند احمد وابوداؤد ابن ماجہ والترمذی وقال الترمذی ہذا حدیث حسن واللفظ لاحمد)

پھر ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کے بقدر ہے جیسے کہ بعض مفسرین نے تصریح کی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ عرش سے ساتویں زمین تک فاصلہ پچاس ہزار سال کا ہے جبکہ بعض روایات میں ہے کہ عرش کے سو درجے ہیں اور ہر درجہ زمین و آسمان کے مابین خلا کی طرح کشادہ ہے۔ شاید یہ مقدار ستونوں سمیت مراد ہو۔ واللہ اعلم (تدبر)

عالم اور عرش کی ہیئت:۔

فلاسفہ کے یہاں یہ طے شدہ ہے کہ عالم کے کل تیرہ کرے ہیں' یہ سب ایک دوسرے پر پیاز کے چھلکوں کی طرح محیط ہیں سوائے عرش کے کہ وہ محیط ہے' محاط نہیں یعنی اس پر کسی جسم کا احاطہ نہیں' اس کی صورت یہ ہے کہ اصل فطرت کے لحاظ سے زمین مرکز ہے اس پر پانی محیط تھا مگر بعد میں اسے چوتھائی حصہ سے ہٹا دیا گیا۔ پانی پر ہوا اور ہوا پر آگ کا کرہ مشتمل ہے یہ چار اشیاء عناصر اربعہ کہلاتی ہیں' ان میں انقلاب آتا رہتا ہے یعنی ایک دوسرے سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ پھر ان چاروں پر سات آسمان محیط ہیں جو بالکل مستدیر ہیں پھر ان پر کرسی اور کرسی پر عرش محیط ہے گویا عرش بالکل مستدیر ہے یعنی دائرہ اور گیند کی طرح مگر ان کی رائے میں بہت غلطیاں

ہیں، سماوات کے کروی ہونے میں بعض مسلمانوں کی رائے بھی یہی ہے تاہم عرش کے متعلق ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں کہ لغوی اعتبار سے لفظ عرش اس کے بالکل گول ہونے کی نفی کرتا ہے لہٰذا علم ہیئت والوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ عرش فلک کی طرح مستدیر ہے اور باقی افلاک پر محیط ہے۔(ص:۹ ج:۱ مع الاختصار)

اور تفسیر ابن کثیر ص:۵۱۳ ج:۲ پر سورر عد کی آیت:۲ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

لانه على الصحيح الذى تقوم عليه الادلة "قبة" ممايلى العالم من هذاالوجه وليس بمحيط كسائر الافلاك لان له قوائم وحملة يحملونه ولايتصورهذا فى الفلك المستدير۔

"کیونکہ صحیح روایات کے مطابق دلائل کا تقاضا یہی ہے کہ عرش اس عالم کی جانب گنبد نما ہے باقی افلاک کی طرح گول اور محیط نہیں ہے اس لئے کہ اس کے ستون ہیں اٹھانے والے فرشتے مقرر ہیں جو اس کو اٹھائے ہوئے ہیں اور یہ کام گول فلک میں متصور نہیں ہو سکتا ہے۔"

گویا فلاسفہ کے نزدیک زمین صرف ایک ہے مگر مسلمانوں کے ہاں زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں۔ یہ سب زمینیں شاید سات طبقوں اور غلافوں سے عبارت ہیں جبکہ آسمان اندر سے کھوکھلے ہیں۔ پھر نصوص کے مطابق آسمانوں میں راستے اور دروازے بھی ہیں۔

کرسی:۔

کرسی کے متعلق اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔وسع کرسیہ السموات والارض اس کی کرسی آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے۔

اس سے اس کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو پھیلا کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیا جائے تو ان کی نسبت کرسی کی طرف اس طرح ہوگی جیسے ایک انگوٹھی صحراء کے درمیان ہوتی ہے۔

اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں یہ اضافہ موجود ہے کہ عرش کی عظمت بہ نسبت کرسی کے اتنی ہی ہے جس قدر کرسی زمینوں اور آسمانوں سے بڑی ہے۔

پھر یہ کرسی عرش کے آگے سارے آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے یعنی عرش کے علاوہ باقی تمام کائنات کرسی کے اندر گھری ہوئی ہے۔(البدایہ والنہایہ ص:۱۱ ج:۱)

لوح محفوظ:۔

لوح ہر چوڑی چیز اور تختی کو کہتے ہیں؛ چمکدار کو بھی کہتے ہیں۔حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ چمکتا ہوا فرشتوں کو نظر آتا ہے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سفید موتی کا بنا ہوا ہے جس کی لمبائی آسمان سے زمین جتنی ہے اور چوڑائی مشرق تا مغرب کے بقدر ہے اس کا قلم نور سے بنا ہے اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے اور عرش کے دائیں جانب واقع ہے یہ شیاطین کی پہنچ سے دور اور ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ ہے۔

فرشتوں کا بیان:۔

فرشتے نورانی مخلوق ہیں' اللہ کے احکام کے انتہائی فرمانبردار ہیں' ان سے نافرمانی کبھی نہیں ہوتی ہے' اپنے اپنے کام پوری قوت اور مستعدی سے انجام دیتے ہیں' ان کی ڈیوٹیاں مقرر ہیں ایک جماعت عرش اٹھانے پر مامور ہے جن کی تعداد قیامت کے دن آٹھ ہوگی ہر آسمان میں ان کے الگ الگ فرائض ہیں بعض اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں بعض دیگر ان پر عمل کرتے اور کراتے ہیں کچھ لوح محفوظ سے نقل پر مامور ہیں کچھ زمین میں سیاحت پر مامور ہیں جہاں کوئی حلقہ درس علوم شرعیہ کا یاذکر کا پاتے ہیں وہیں جمع ہو جاتے ہیں کچھ کراماً کاتبین ہیں اور کچھ ہر آدمی کی حفاظت کے لئے متعین کردیئے جاتے ہیں رعد بادلوں کے نظام پر مقرر ہیں اور بے شمار عبادت باری میں لگے ہوئے ہیں کوئی قیام میں کوئی رکوع میں کوئی سجدہ اور قعدہ میں ہے جب قیامت قائم ہوگی تو یہ سر اٹھا کر معذرت کریں گے اور اپنی کوتاہی کا اقرار کریں گے کہ اے اللہ ہم تیری شان کے مطابق عبادت نہ کر سکے۔ دوزخ کے نظام کے لئے الگ فرشتے ہیں جن کے بڑے فرشتے کا نام مالک ہے جبکہ جنت کے انتظام پر مامور ملائکہ کے بڑے نگران کا نام رضوان ہے ان کے علاوہ چار دیگر بڑے بڑے فرشتوں کے نام نصوص سے ثابت ہیں۔ ان میں درج ذیل چار بہت مقرب فرشتے ہیں۔

(۱) حضرت جبرائیل علیہ السلام جن کا قد زمین سے آسمان تک ہے اور ان کے (یعنی جبرائیل علیہ السلام کے) چھ سو پر ہیں۔ ہر دو پروں (بازوؤں) کے مابین مشرق تا مغرب جتنا فاصلہ ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی مدد کرنے اور وحی لانے پر

مامور تھے۔ حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی اصلی شکل میں دو دفعہ دیکھا ہے ایک بار غار حرا کے پاس دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس شب معراج میں۔ یہ کبھی کبھی انسانی شکل میں بھی وحی لاتے تھے یہود کہتے تھے کہ یہ ہمارا دشمن ہے اس لیے اگر کوئی اور فرشتہ آپ پر وحی لاتا تو ہم آپ کو تسلیم کر لیتے۔ اس پر اللہ نے فرمایا کہ جو جبریل کے دشمن اور مخالف ہوں تو اللہ اور فرشتے ان کے دشمن ہیں۔

(۲) عزرائیل علیہ السلام ان کی سربراہی میں بے شمار فرشتے مخلوق کی ارواح قبض کرتے ہیں بالفاظ دیگر یہ قبض ارواح پر مامور ہیں ان کے قد کے بارے میں صحیح نصوص نہیں ملتیں تاہم کہا جاتا ہے کہ ان کو لوگوں کی جانیں لینے کے لئے صرف اتنی حرکت کی ضرورت پیش آتی ہے جتنی ایک آدمی کو دسترخوان سے چیزیں اٹھانے کے لئے کرنی پڑتی ہے۔

(۳) میکائیل علیہ السلام یہ مخلوق کو روزی پہنچانے اور بارش وغیرہ کے انتظام پر مقرر ہیں اور بے شمار فرشتے ان کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں بعض بادلوں بعض ہواؤں اور بعض دریاؤں تالابوں اور نہروں پر مقرر ہیں۔

(۴) اسرافیل علیہ السلام یہ صور پھونکنے پر مقرر ہیں عام روایات کے مطابق جب پہلی بار صور پھونکیں گے تو سب جاندار مر جائیں گے پھر اس کے چالیس سال بعد جب پھونکیں گے تو سارے لوگ زندہ ہو کر محشر کی طرف بھاگیں گے جس کا بیان انشاء اللہ باب سوم میں آئے گا۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کی حکم کی تعمیل کی غرض سے اس طرح

انتظار میں رہتے ہیں کہ صور ان کے منہ میں ہے تاکہ حکم ملتے ہی اپنا کام فوراً شروع کر دیں۔

علاوہ ازیں منکر و نکیر دو فرشتے ہر انسان کی قبر میں آتے اور اس سے سوالات کرتے ہیں۔

فرشتوں کی تعداد:۔

ملائکہ کی متعین تعداد کے حوالے سے کوئی روایت تو نہیں ملتی تاہم ان کی کثرت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے بیت المعمور میں نماز کے لئے داخل ہوتے ہیں اس کے بعد وہ اس کو نہیں دیکھتے یعنی ان کی باری ختم ہو جاتی ہے اور پھر ثانیاً داخل ہونے کا موقعہ نہیں ملتا۔ بیت المعمور ساتویں آسمان پر ایک مسجد ہے جو بیت اللہ یعنی کعبہ کے بالکل محاذات پر واقع ہے۔

نظام شمسی:۔

نظام شمسی کا علم ایک وسیع فن ہے یہ چھوٹا سا رسالہ اس کی تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا تاہم اجمالاً تذکرہ پیش خدمت ہے۔ مولانا موسیٰ خان صاحب جو اس فن کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں، اپنی مشہور کتاب فلکیات جدیدہ میں رقمطراز ہیں۔

تمام ستارے گیس سے بنے ہیں اس طرح کہ گیس کے اجزاء نے ازدحام کی وجہ سے ایک مقام پر بگولے کی طرح گردش شروع کر دی گردش کے دوران اجزاء باہم ایک دوسرے سے پیوست ہونے لگے مدت مدید کے بعد وہ چمکدار ٹھوس اجسام

بنے یہی روشن اجسام ستارے کہلاتے ہیں۔

ستاروں کی تعداد:۔

خالی آنکھ سے پانچ ہزار تا سات ہزار ستارے نظر آتے ہیں البتہ ایک وقت میں تیز آنکھ کو بھی تین ہزار سے زیادہ نظر نہیں آسکتے کیونکہ افق کے قریب ستارے پوشیدہ ہوتے ہیں چھوٹی دوربین سے ایک لاکھ ستاروں کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔

فلکی ہرشل کی بنائی ہوئی بیس فٹ کی لمبی دوربین میں دو کروڑ اور اس کے بعد بنائی ہوئی دوربینوں کے ذریعے ایک مدت تک دس کروڑ ستاروں کا اندازہ لگایا گیا تھا لیکن بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ ستاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے بقول جارج گیمو وغیرہ صرف ہماری کہکشاں کے جھرمٹ میں ایک کھرب ستارے موجود ہیں کائنات میں ہماری کہکشاں کی مانند کئی کروڑ کہکشائیں موجود ہیں اور ہر ایک کہکشاں اربہا کواکب پر مشتمل ہے۔ دوربین کی ایجاد سے قبل مشاہدہ کواکب کے لئے جو آلات مستعمل تھے ان سے مشاہدہ کئے ہوئے ستارے گیارہ ہزار سے زائد نہ تھے جن میں مرصودہ ۱۰۲۵ ستارے ہیں سر جیمس جینس کہتا ہے کہ کائنات میں ستاروں کی تعداد اتنی زیادہ ہے جتنے ریت کے ان گنت ذرے ہیں۔ (ص: ۲۰۱)

تاہم ان اعداد و شمار کو یقینی نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ منصوص نہیں صرف مرصود آلات کے ذریعہ معلومات کے مطابق ہیں ان میں رائے کا اختلاف بھی ہوتا رہتا ہے اور وقت کے گذرنے کے ساتھ جتنے جدید آلات ایجاد ہوتے ہیں ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

وہ صفحہ: ۲۵ سے آگے لکھتے ہیں۔

قدیم ہیئت کے معلم اول ارسطو کے نزدیک عالم کا مرکز زمین ہے' سیارات وثوابت بلکہ سارا جہاں اس کے گرد گھوم رہا ہے اکثر قدماء نے اس کی تقلید کی۔ بطلیموس اس گروہ کا سرخیل ہے یہ رائے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک مسلم رہی۔

جدید علم فلکیات کا بانی مشہور فلکی کوپرنیکس پولینڈی م ۱۴۷۳ء و ۱۵۴۳ء سمجھا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے مرکزیت آفتاب کا نظریہ پیش کیا نظریہ کوپرنیکس کے بنیادی اصول دو ہیں۔

اول:۔ کواکب وعالم کی روزانہ گردش کی اصل وجہ اپنے محور کے گرداگرد زمین کی روزانہ گردش ہے۔

دوم:۔ تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں زمین بھی ان میں سے ایک سیارہ ہے نظام کوپرنیکی میں سیاروں کی ترتیب مرکز آفتاب سے شروع ہوکر یہ ہے (۱) عطارد (۲) زہرہ (۳) ارض (۴) مریخ (۵) مشتری (۶) زحل (۷) یورینس (۸) نیپچون (۹) پلوٹو۔ (ص:۲۶) علی ہذا مزید جو دریافت ہونگے وہ اپنے محل وقوع کے درمیان شمار ہونگے مثلاً مذکورہ سیارات کے علاوہ امریکی خلابازوں نے اور ایک سیارہ کا پتہ چلالیا ہے۔

مذکورہ سیارے اپنے بیضوی مدار میں سورج کے گرد گھومتے رہتے ہیں جس کا مدار جتنا چھوٹا ہوگا اس کا سال بھی چھوٹا ہوگا سال سے مراد سیارے کا ایک چکر ہے ہر سیارے کا سال الگ الگ ہوتا ہے مثلاً عطارد کا ایک چکر "۸۸" دنوں پر مشتمل ہوتا ہے زہرہ کا دوسو پچیس دن اور زمین کا تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے

جسے شمسی سال بھی کہتے ہیں یہ جدید اور قدیم اصطلاح کا فرق ہے۔

چاند زمین کے گرد انتیس دن بارہ گھنٹے اور چوالیس منٹ میں ایک چکر مکمل کر لیتا ہے اس تناسب سے اس کا سال تقریباً تین سو چھپن دن پر مشتمل ہوتا ہے۔

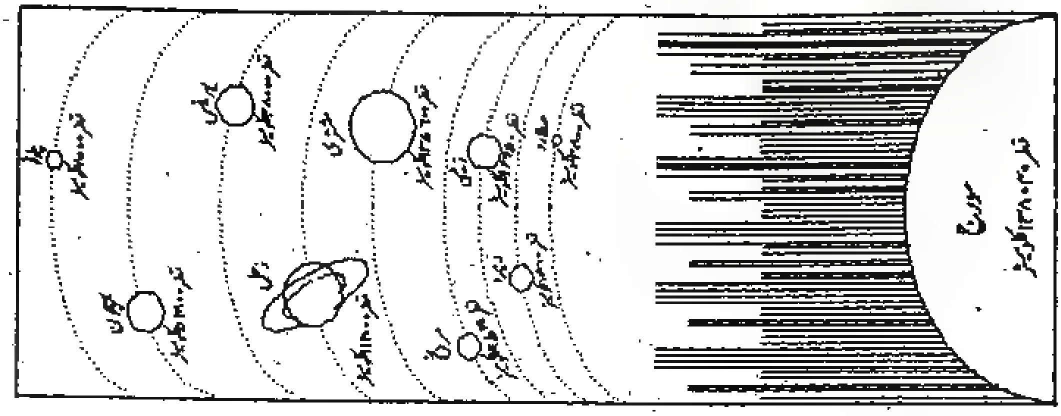

قطر سورج۔۱۳۸۰۴۰ کلومیٹر	قطر عطارد۔۴۸۰۰ کلومیٹر
قطر زہرہ۔۱۲۱۶۰ کلومیٹر	قطر زمین۔۱۲۶۵۰ کلومیٹر
قطر مریخ۔۶۷۲۰ کلومیٹر	قطر مشتری۔۱۳۷۶۰۰ کلومیٹر
قطر زحل۔۱۱۲۰۰۰ کلومیٹر	قطر یورینس۔۴۸۰۰۰ کلومیٹر
قطر نیپچون۔۵۲۸۰۰ کلومیٹر	قطر پلوٹو۔۸۰۰۰ کلومیٹر

ان دو نظریوں کے علاوہ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ کائنات لامتناہی ہے اس کی مرکزیت کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

المسترشد کہتا ہے کہ پہلی رائے محل نظر ہے کیونکہ مرکز کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی نسبت تمام اطراف کی جانب بالکل مساوی ہو لہٰذا پہلی رائے کی صحت اس پر موقوف ہے کہ عرش سمیت سارا عالم گول اور کروی ہو پھر زمین ان تمام کروں کے حاق الوسط میں ہو جیسا کہ ان قدماء نے مشہور کیا ہے لیکن جو بات نصوص سے معلوم

ہوتی ہے اس کے ظاہر کے مطابق عرش گنبد نما ہے گیند نما نہیں۔

جبکہ دوسری رائے سے صرف اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ سورج نظام شمسی کا مرکز ہے لیکن اس کا یہ مطلب لینا کہ جو چیز نظام شمسی کی مرکزیت کی حامل ہو وہ سارے عالم کا بھی مرکز ہوگی قابل غور ہے کیونکہ اس کا ثبوت اس پر مبنی ہے کہ نظام شمسی کے مجموعے کا فاصلہ ہر جانب سے آسمان تک برابر ہو حالانکہ یہ ابھی تک ثابت نہیں ہوسکا ہے نیز پہلی رائے پر جو اشکال وارد ہوتا ہے وہ اس دوسری رائے پر بھی ہوتا ہے لہٰذا لگتا ہے کہ یہ تیسری رائے ہی اصوب ہے۔ (تدبر) واللہ اعلم وعلمہ اتم

بہر حال ان سیاروں کے قطر اور حجم سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ کائنات کی وسعت کتنی ہے آج کل کے جدید آلات کے باوجود جو کچھ معلومات سامنے آئی ہیں وہ ابھی ناکافی ہیں البتہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ سارے نظام ایک بڑی کہکشاں کا حصہ ہیں انسانی عقل کے لئے کائنات کو پوری طرح سمجھنا ناممکن ہے مگر اسلامی تعلیمات کی رو سے اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے تا کہ انسان ان سے نفع حاصل کرے اور ان میں غور و تدبر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچان لے اور اس کے نتیجے میں اس کی عبادت کرے اور بکثرت شکر ادا کرے۔

نظام شمسی کی وسعت سے زمین و آسمان کے درمیان فضا و خلا کی کشادگی کا بھی بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اتنے بڑے اجرام اور لامتناہی اجسام جس فضا میں محو پرواز ہوں اور ان کے ازدحام کے باوجود کبھی تصادم کی نوبت نہ آتی ہو تو اس فضا کی فراخی کا کیا عالم ہوگا؟ تو کیا اس نظام کو چلانے والی ذات کی قدرت وحکمت اور کمال صفات کے لامتناہی ولامحدود ہونے میں پھر بھی کوئی شک رہتا ہے؟

اس نے ہمارے لئے روشنی کا بہترین انتظام فرمایا ان اجرام میں حرکت پیدا کر کے موسموں کو ترتیب دیدی کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو گرمی پڑتی ہے ہم شمسی توانائی حاصل کرتے ہیں حیوانات اور نباتات قوی ہوجاتے ہیں رنگ بدلتے ہیں اور دیگر موسمی اثرات قبول کرتے ہیں جب سورج غروب ہوتا ہے تو ہم بلکہ تمام حیوانات محو خواب ہوجاتے ہیں موسم کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے گرمی کے بعد اعتدال پیدا ہوجاتا ہے دن بھر کی تھکان ختم ہونے کے بعد ہمیں پھر معاش کی ضرورت پیش آتی ہے تو اللہ جل مجدہ پھر سورج کو طلوع فرماتا ہے رات کو چاند نکلتا ہے اس کی دھیمی سی روشنی ہوتی ہے جو آرام میں خلل نہیں ڈالتی اور مسافر کے لئے راستہ دیکھنے کا سامان کرتی ہے اس سے ہمارے پھل رنگ پکڑتے ہیں سورج اور چاند کی یومیہ رفتار سے ہم یومیہ حساب معلوم کرتے ہیں اور سالانہ گردش سے ہمیں سالانہ موسموں اور کلینڈروں میں مدد ملتی ہے پھر تارے نکلتے ہیں انکی روشنی سے ہمارے پھل ذائقہ اخذ کرتے ہیں اور کھانے کے قابل بنتے ہیں اور ان ستاروں سے لوگ رات کے اوقات بھی معلوم کرتے ہیں اور صحراؤں اور سمندروں میں مسافر ان سے راہنمائی بھی لیتے ہیں اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان اجرام عظام سے اللہ کی قدرت پر استدلال ہوتا ہے جو انسان کا اصل مقصد ہے کہ یہ بڑے بڑے مجسمے فضاء میں قائم ودائم ہیں یہ نہ تو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور نہ ہی ستونوں اور پٹریوں پر رکھے ہوئے ہیں پھر بھی ایسے تھمے ہیں کہ ان کے گرنے کے خطرے سے بے نیاز انسان اپنے آرام ومعاش میں مگن ہے اگر کبھی کبھار ان میں سے ایک ایک ٹوٹ کر گرتا اور اس کے ٹکڑے زمین پر آپڑتے تو انسانی زندگی اجیرن ہوجاتی بلکہ ناممکن بن جاتی۔ پھر زمین کو سورج سے ۶ء۱۴۹ ملین

کلو میٹر یعنی نو کروڑ تیس لاکھ میل اور چاند کو ۳۸۴۷۰۹ کلو میٹر مسافت پر رکھ کر ایک اور انعام فرمایا کہ اگر یہ اجرام زمین کے قریب ہوتے تو ہم ان کی گرمی برداشت کرنے کے قابل نہ ہوتے اگر اس سے زیادہ دور کا فاصلہ ہوتا تو ہم ان کی روشنی اور حرارت سے مستفید نہ ہوتے جبکہ سورج کی روشنی اور حرارت کے بغیر زمین پر زندگی ناممکن ہے حیوان' انسان' چرند' پرند اور فصلیں سورج کی گرمی اور روشنی کے محتاج ہیں ہماری زمین کے اندر دفن کوئلہ اور پیٹرول درحقیقت سورج ہی کی بدولت ہے اور یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام سیاروں پر زندگی کے آثار نہیں کہ وہ یا تو سورج سے اتنے قریب ہیں کہ ان پر شدید گرمی پڑتی ہے اور درجہ حرارت اتنا ہوتا ہے کہ کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا یا وہ سورج سے اتنے دور ہیں کہ ان تک سورج کی حرارت بہت کم پہنچتی ہے یا پھر وہ ہوائی غلاف سے عاری وخالی ہونے کی وجہ سے حرارت کو محفوظ کرنے سے محروم ہیں جس کی بنا پر اتنی سخت سردی پڑتی ہے کہ زندہ رہنا ممکن نہیں اللہ تعالیٰ نے زمین کو سورج سے مخصوص فاصلے پر رکھ کر ہمیں اپنی قدرت کے قائل ہونے کی دعوت دی اب یہ ہر انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس کارخانہ قدرت سے کتنا مستفید ہوتا ہے۔

پھر اس فضا پر غور کرو اس میں بادل گردش کرتے ہیں جن سے ہمیں تازہ پانی مہیا ہوتا ہے ہماری فصلوں اور جانوروں کے لئے خوراک کا انتظام ہوتا ہے اسی پانی کی بدولت زمین سے ہماری غذائیں اگتی ہیں نہریں چشمے' کنویں اور دریا معرض وجود میں آتے ہیں اس فضا میں مختلف قسم کی ہوائیں اور لہریں ہیں ان سے ہمیں سانس لینے میں مدد ملتی ہے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس ہمارے پھیپھڑوں سے خارج ہو کر ہوا میں تحلیل ہوتی ہے جسے پودے اور درخت جذب کر لیتے ہیں اور ہمیں تازہ آکسیجن مل جاتی ہے

اگر فضا کی یہ وسعت نہ ہوتی اور زمین کسی تنگ فضا میں واقع ہوتی تو ہوا میں آکسیجن کی کمی اور سمی گیس (کاربن ڈائی آکسائیڈ) کے اضافے سے انسان دم گھٹ کر مرجاتا علاوہ ازیں اس فضا میں اتنی بدبو اور آلودگی ہوتی کہ انسان ہر وقت حیات وممات کی کشمکش میں ہوتا۔ اس فضا کی ریڈیائی لہروں کی بدولت ہم برقی اور تیز ترین مواصلات سے پوری طرح استفادہ کرتے ہیں یہ لہریں دنیا بھر میں کارآمد ہیں ان کی بدولت ایک لمحہ میں ہزاروں میل دور آواز پہنچائی جاسکتی ہے۔ خط استواء کے آس پاس مختلف مسافتوں پر ہزاروں مواصلاتی سیارے زمین کے گوشے گوشے کا رابطہ انہی لہروں کی وساطت سے قائم رکھے ہوئے ہیں۔

پھر ہماری عام ضرورت کی ہوا کا تناسب دیکھئے کہ نہ اتنی کم ہے کہ سانس لینے میں دقت ہو اور نہ ہی اتنی زیادہ ہے کہ اس میں چلنا پھرنا اور کام کرنا مشکل یا ناممکن ہو اگر یہ دباؤ زیادہ ہوتا تو نہ کوئی گھر بنانا ممکن ہوتا نہ ذرائع نقل وحمل کارآمد ہوتے بلکہ انسان غاروں میں رہنے پر مجبور ہوتا اور پیاس وبھوک کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ تکلیف دہ موت کا بھی شکار ہوتا نہ معاش کا سامان ہوتا اور نہ جینا آسان ہوتا۔ اسی فضا میں ہمارے جہاز محو پرواز ہوتے ہیں ان کا باہم اور زمین سے رابطہ ہوتا ہے جس سے حادثات سے بچا جاسکتا ہے۔ زمین کے گرد جو ہوائی غلاف ہے یہ سورج کی شعاعیں فلٹر کرتا ہے اور روشنی کو واپس جانے سے روکتا ہے جس کی وجہ سے رات کا موسم معتدل اور خوشگوار رہتا ہے۔

علاوہ ازیں بہت زیادہ رحمتیں اور فوائد ہیں۔ صحیح غور وتدبر سے بآسانی ان تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے اور واقفیت کے بعد آدمی بے ساختہ بول اٹھتا ہے

کہ "ربنا ما خلقت هذا باطلاً" اے ہمارے رب! تو نے یہ عبث نہیں بنایا ہے۔

اشکال:۔

اس موقع پر کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ فضاء خلاء کی وسعت سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ انسانی تصور سے کہیں زیادہ ہے پھر مذکورہ بالا حدیث میں پانچ سو سال میں طے کرنے کی بات کیسے فرمائی گئی ہے؟ حالانکہ آسمان تک رسائی کے لئے تو مذکورہ عدد سے کئی گناہ زیادہ زمانہ درکار ہے؟

حل:۔

اس اشکال کو حل کرنے سے پہلے ایک تمہید سمجھ لیجئے۔

جو بات عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہو اس میں شریعت کا طریقہ یہ رہا ہے کہ لوگوں کے فہم کے مطابق بات کی جاتی ہے اور اس کی کئی مثالیں ہیں خاص کر فلکیات کے متعلق ایک دفعہ صحابہؓ نے چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کے متعلق پوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ چونکہ عام عرب اس نظام کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتے تھے تو جواب میں اس کی وجہ نہیں بتلائی گئی بلکہ اس کی حکمت اور حکم ارشاد فرمایا کہ یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ تم اس سے اپنے اوقات یاد رکھ سکو کہ رمضان کب سے کب تک ہے مثلاً اور حج کا دن اور مہینہ کب ہے۔ پھر اس میں بھی صرف دیکھنے کی رعایت کی گئی نفس الامر اور واقع میں ہونے اور نہ ہونے کا اعتبار نہیں کیا گیا کہ عام لوگ اس کو نہیں سمجھتے جبکہ دیکھنے کا اصول ہر جگہ کارآمد ہے۔ ہاں نماز کے اوقات میں سورج کی

حرکت معتبر فرمائی کہ اس میں یہی آسان ہے۔

آسان لفظوں میں یوں سمجھنا چاہیے کہ بجائے سمجھ سے بالاتر حقیقت کی تحقیق اور بحث کرنے اور پیچیدہ مباحث چھیڑنے کے حواس کے مطابق خطابات فرمائے گئے ہیں۔

عالم کا مرکز زمین ہے یا سورج یہ مسئلہ ابھی تک متنازعہ ہے مگر قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ زمین گردش کر رہی ہے کیونکہ اس کی حرکت ہمیں محسوس نہیں ہوتی اس کے مقابلے میں سورج اور چاند تاروں کی طرف حرکت کی نسبت کی گئی ہے کیونکہ یہ مشاہدہ کے موافق ہے۔

سورہ کہف میں ذوالقرنین کے اسفار کے متعلق ارشاد ہے کہ جب ذوالقرنین سورج کے غروب کی جگہ پہنچے تو دیکھا کہ سورج سیاہ پانی یعنی دلدل میں غروب ہو رہا تھا حالانکہ سورج پانی یا چشمہ میں غروب نہیں ہوتا بلکہ دیکھنے میں چونکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ سورج سمندر میں ڈوب رہا ہے اس لئے اسے اسی محسوس صورت سے تعبیر کیا۔

سورہ یٰس میں چاند کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "حتی عاد کالعرجون القدیم" یعنی آخری ایام میں چاند کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے دیکھئے چاند اور شاخ میں بڑا فرق ہے مگر سمجھانے کے لئے اس کو شاخ سے تشبیہ دی گئی۔

اسی طرح برزخ کے احکام میں، صفات باری تعالیٰ، انعامات اور نعمتوں اور مثالوں میں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا ہے تاکہ عام لوگ جس طرح آسانی سمجھتے ہیں ان کی سہولت کے پیش نظر سہل طریقہ اختیار فرمایا ہاں جو علماء اور خواص ہیں ان کے

لئے بلیغانہ طرزِ کلام منتخب فرمایا یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اول سے آخر تک سب ایک اسلوب نہیں ہے بلکہ مختلف پیرائے ہیں احکام اور امثال وقصص آسان ہیں وعدے اور وعید سہل ہیں مگر انکے دلائل کافی مشکل ہیں حتی کہ بعض آیات جیسے مقطعات تو فہم سے بالاتر ہیں اور متشابہات ابھی تک حل طلب ہیں۔

اس لئے کہا جائے گا کہ حدیث کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال آدمی کی رفتار کے مطابق مراد ہے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس حدیث میں انسانی رفتار یا پیدل چلنے کی کوئی قید نہیں کہ کس رفتار سے پانچ سو سال مراد ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب آدمی خالی آنکھ سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور کوئی خارجی علم اس کے پاس نہ ہو تو عام آدمی یہی سمجھتا ہے کہ یہ بہت زیادہ مسافت ہوگی حتیٰ کہ صدیوں پر مشتمل ہوگی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی سمجھ کے مطابق ارشاد فرمایا مزید تفصیل نہیں بتلائی کیونکہ لوگوں کا ذہن اس وضاحت کی طرف نہیں گیا کہ پانچ سو سال کس رفتار کے مطابق ہیں؟ آیا فرشتوں کے یا جنات کے' چاند گاڑی کے یا خلائی جہاز کے' پھر اسے پیدل سفر پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے جبکہ فضائی اور خلائی سفر پیدل ممکن ہی نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ مراد ہوائی سفر یعنی طیران ہے لیکن اس کا تعین نہیں فرمایا کہ کتنی رفتار سے؟ کیونکہ یہ سہولت نہ اس وقت میسر تھی کہ سفر کے اجزاء وقت اور گھڑی کے اجزاء پر تقسیم کئے جائیں اور نہ بتلانے کی ضرورت تھی کیونکہ لوگ جو کچھ سمجھنا چاہتے تھے وہ سمجھ گئے۔ لہٰذا انہیں ایسی تفصیلات سے آگاہ کرنا جو ابھی تک ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھیں کہ خلائی راکٹ ہونگے جہاز ہونگے اور ان کی رفتار مقرر و متعین کی جاسکے گی شریعت کے مزاج کے خلاف تھا۔

علاوہ ازیں اس بات کو ناممکن سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اگر اتنی لمبی مسافت فرشتے چند لمحوں اور جنات چند گھنٹوں میں طے کر سکتے ہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی متحرک معین رفتار کے مطابق یہ ہدف پانچ سو سال میں حاصل کیا جا سکے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں شبہات اور وسوسوں سے بچائے اور صحیح سمت سمجھنے اس پر چلنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اہم تنبیہ:۔

مذکورہ بحث کا مطلب عالم بالا کی تفصیل بتلانا نہیں کیونکہ اس چھوٹے سے رسالہ میں نہ ان تفاصیل کی گنجائش ہے اور نہ وہ میرا موضوع ہے یہاں موضوع سخن فقط یہ بات ہے کہ خالی الذہن آدمی کے لئے اس کارخانہ قدرت کا کچھ اجمالی نقشہ سمجھنا آسان ہو جائے تا کہ وہ اللہ کی مخلوق میں غور وفکر کر سکے اور اگر اس کا شوق اس سے بڑھتا ہے تو ان تفاصیل کا مطالعہ آج کل بہت آسان ہے اسے اس مقصد میں کوئی پیچیدگی پیش نہیں آئے گی لیکن بجائے تفاصیل میں لگنے کے بہتر یہ ہوگا کہ وہ اجرام عظام سے اللہ عزوجل کی حکمت وقدرت پر استدلال کرے یہی اصل مقصد ہے اور یہی بڑی عبادت ہے۔

اور جو لوگ اس فن میں مہارت رکھتے ہیں ان کے لئے اس میں یہ پیغام ہے کہ وہ ان حکمتوں سے لبریز اس نظام کائنات کو محض اتفاق نہ سمجھیں کہ یہ تاثر تو محض تغافل ہی ہے بلکہ تجاہل ہے یا پھر توفیق خداوندی سے محرومی ہے انصاف سے کام لیکر اسے چاہئے کہ اس مضبوط اور مستحکم نظام اور نہایت سلیقے سے چلنے والی ان اشیاء کے

پیچھے جو قوت کارفرما ہے ان کو اس سے لاتعلق یا کار عبث تصور نہ کرے یہ بڑی محرومی کی بات ہے بلکہ احسان فراموشی اور ناشکری ہے۔

عالم سفلی:۔

زمینوں کی تعداد کے حوالے سے مسلمانوں کا اس پر تو اتفاق ہے کہ وہ سات ہیں مگر اس کے مصداق میں اختلاف ہے ایک رائے یہ ہے کہ اس سے ہفت اقلیم یا سات براعظم مراد ہیں دوسری رائے یہ ہے کہ سورج اور چاند کے علاوہ باقی سیارات مراد ہیں مگر یہ دونوں نظریے صحیح نہیں ہیں۔

تیسری رائے یہ ہے کہ باقی سب زمینیں ہمارے کرہ ارض کے اندر ہیں تاہم اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ کسی زمانے میں امریکہ نے ایک پروگرام شروع کیا تھا جس کے مطابق زمین کے دور دراز حصوں کو اندرون راستوں اور سرنگوں کے ذریعے باہم ملانا تھا تا کہ مختصر مسافت میں باہمی نقل وحمل کے امکانات قابل عمل بنائے جاسکیں لیکن اس پروگرام میں وہ بری طرح ناکام ہوئے وہ جہاں بھی سرنگ بناتے نیچے ان کو ایسے ٹھوس اجسام کا سامنا کرنا پڑتا کہ ان کے سارے آلات فیل ہو جاتے۔ بالآخر ان کو یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا قرآن پاک میں بھی اس کا تذکرہ فقط ایک دفعہ ہوا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اس کی مثل زمینیں بھی۔''

(سورہ طلاق آیت:۱۲)

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے ان

زمینوں میں ہمارے لئے عبرت کا زیادہ سامان نہیں۔ شاید اس نکتے کے پیش نظر حضرات مفسرین نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔

تاہم اگر اس آخری رائے کا اعتبار کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا حجم ہماری زمین سے چھوٹا ہے بلکہ بے غبار تعبیر یہ ہوگی کہ یہ سات تہوں اور طبقوں سے عبارت ہے اور یہ تفاوت نیچے اور بھی بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ آخری زمین انتہائی چھوٹے کرے کی شکل میں موجود ہے پھر جو لوگ مرکزیت ارض کے قائل ہیں وہ اس ساتویں زمین کو مرکز عالم قرار دیتے ہیں۔ امام قرطبیؒ کی رائے یہ ہے کہ ان زمینوں پر بھی زندگی ہے وہاں بھی مخلوق آباد ہے اگر چہ ظاہر یہی ہے کہ ان زمینوں پر زندگی نہیں ہے کیونکہ نہ تو وہاں اتنی کھلی فضا ہے جس میں جاندار بآسانی آکسیجن حاصل کر سکیں اور نہ ہی وہاں تک سورج وغیرہ کی روشنی پہنچ پاتی ہے کیونکہ زمین کثیف ہے جبکہ روشنی کے لئے کھلا راستہ چاہئے یا پھر شفاف جسم جس سے روشنی پار ہو سکتی ہو لیکن اس بات کا امکان ہے کہ وہاں کے جانداروں کا نظام الگ ہو جیسے پانی کے جانداروں کا نظام ہم سے مختلف ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے ان کے لئے مناسب حال کوئی دوسرا انتظام فرمایا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں جو آتا ہے کہ ہر زمین پر تمہارے آدم کی طرح آدم ہے اور تمہارے ابراہیم کی طرح ابراہیم ہے تو اولاً یہ حدیث صحیح نہیں اور ثانیاً ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات کعب الاحبار سے نقل کی ہو جس کی تصدیق وتکذیب نہیں کی جا سکتی۔

زمین کے قدیم حصے جغرافیہ کے تناظر میں:۔

ماہرین علم جغرافیہ کی غالب اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ دنیا کے تمام براعظم کبھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ سرکتے سرکتے ان میں فاصلے آ گئے پھر بعض براعظم تو نذر طوفان ہو گئے جیسے براعظم لیموریا' یہ افریقہ اور ایشیاء کے درمیان جنوب میں پل کا کام کرتا تھا۔ دوم براعظم اٹلنٹس یہ اتنا بڑا تھا کہ ایشیا و افریقہ دونوں کے برابر تھا۔ یہ قیامت خیز طوفان کے باعث بحر اوقیانوس کا حصہ بن گیا۔ سوم براعظم لیسٹر' یہ جنوبی امریکہ سے مغربی جانب میں دو ہزار چار سو میل دور تھا۔ یہ بھی سمندر میں ڈوب گیا۔ ممکن ہے کہ ان تینوں براعظموں کے غرقاب ہونے کا سبب حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا عالمگیر طوفان ہو۔ واللہ اعلم

بہر حال جدید اور قدیم جغرافیہ میں اصطلاحاً کافی فرق پایا جاتا ہے قدماء نے زمین کے جو حصے مقرر کئے تھے انہیں وہ ہفت اقالیم یا سات حصوں سے تعبیر کرتے ہیں یہ تقسیم فرضی خطوط کی شکل میں شرقاً وغرباً تصور کی گئی تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خط استوا کرۂ زمین کے مشرق سے مغرب تک دو برابر حصے کر دیتا ہے اسی کو زمین کا طول کہتے ہیں اور کرۂ ارض میں یہی سب سے بڑا فرضی خط ہے جیسے آسمان پر سب سے بڑا خط منطقۃ البروج یا معدل النہار ہے منطقۃ البروج "۳۶۰" درجوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک درجہ زمین کی مسافت کے اعتبار سے "۲۵" فرسخ کا ہوتا ہے اور ہر فرسخ بارہ ہزار گز کا ہوتا ہے (یعنی قدیم گز) ایک میل پونے چار ہزار گز کا ہوتا ہے لہٰذا ایک فرسخ تین میل اور پانچ سو گز کا ہوتا ہے ایک گز ۲۴

انگل کے اور ایک انگل سات جو کے برابر ہوتا ہے جبکہ وہ قطار میں لمبے لمبے برابر زمین پر رکھے جائیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ دائرہ معدل النہار سے جو زمین کے خط استواء کے محاذ میں ہے اور آسمان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے دونوں قطبوں کے درمیان ۹۰ درجے کا فاصلہ ہے لیکن شمال میں آبادی خط استواء سے ۶۴ درجے تک ہے اور باقی حصہ ویران ہے کیونکہ اس میں انتہائی ٹھنڈک ہے اور برف جمی رہتی ہے قطب جنوبی میں بھی شدید سردی کی وجہ سے بالکل آبادی نہیں پھر باقی آباد حصہ کو اس کے حدود اربعہ کو اور اس میں جتنے چھوٹے بڑے شہر پہاڑ دریا نہریں جنگلات اور ریگستان ہیں سب کو علمائے جغرافیہ نے سات حصوں میں بانٹ دیا ہے جن کو اقالیم سبعہ کہتے ہیں یہ اقلیمیں مشرق و مغرب کے درمیان فرضی حدود سے متعین ہیں جو عرض میں برابر ہیں مگر طول میں مختلف ہیں پہلی اقلیم دوسرے سے بڑی ہے اور دوسری تیسری سے غرضیکہ دوسری پہلی سے چھوٹی ہوتی چلی گئی ہے اور ساتویں اقلیم سب سے چھوٹی ہے کیونکہ یہی اس دائرے کا تقاضا ہے جو کرہ زمین سے پانی ہٹ جانے کی وجہ سے زمین پر پیدا ہوا ہے (اگر کسی کو مزید تفصیل درکار ہو تو وہ مقدمہ ابن خلدون وغیرہ کا مطالعہ کرے)

یہ تقسیم آج کل زیادہ کارآمد نہیں کیونکہ یہ تقریباً صرف تین براعظموں پر مشتمل ہے یعنی ایشیا افریقہ اور یورپ تک محدود ہے۔

امریکہ وغیرہ براعظموں کی دریافت کے بعد اور بعض دیگر وجوہ کی بناء پر مذکورہ تقسیم اور اصطلاح ختم کر دی گئی ہے اور اقالیم کے بجائے براعظموں کی اصطلاح متعارف کرادی گئی ہے جو آج تک رائج ہے۔

کرۂ ارض کے حصے جدید جغرافیہ کی روشنی میں :۔

ہمارے کرۂ ارض کے مجموعی اعتبار سے دو حصے ہیں ایک جو پانی سے ڈھکا ہوا ہے دوسرا جو خشک ہے۔ جو حصہ پانی میں پوشیدہ ہے گو کہ اس کا رقبہ بہت زیادہ ہے مگر وہ انسانی زندگی کے قابل نہیں، خشک منطقہ جگہ جگہ ایک دوسرے سے کٹا ہوا ہے جن کے مابین پانی حائل ہے ان میں جو بڑے رقبے ہیں ان کو براعظم یعنی بڑی خشکی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ایسے براعظموں کی تعداد بھی ہفت اقالیم کی طرح سات ہے جن میں سے چھ پر آبادی ہے جبکہ براعظم انٹارکٹیکا انتہائی سرد ہونے کی وجہ سے غیر آباد ہے بلکہ وہ منجمد پانی یا برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ تاہم ایک چیز قدیم اور جدید جغرافیہ میں مشترک ہے یعنی خط استواء خط جدی و خط سرطان کے فرضی خطوط ان خطوط کی معاونت سے کسی ملک کا موسم معلوم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اس کا مختصر و اجمالی بیان یہ ہے کہ سورج کی یومیہ حرکت کے علاوہ سالانہ حرکت بھی ہوتی ہے کہ دسمبر کے مہینے میں سورج انتہائی جنوب میں جا کر واپس پلٹتا ہے اور چھ ماہ میں شمال کی جانب جا کر جون کے اواخر میں واپس ہوتا ہے گویا اس درمیان میں اس کو ہر نقطہ سے دوبار گذرنا پڑتا ہے تب اس کا سال مکمل ہوتا ہے۔ جس جنوبی نقطے تک وہ پہنچتا ہے اسے خط جدی کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں شمالی نقطہ کو خط سرطان اور ان دونوں کے بالکل درمیان میں خط استواء واقع ہے گویا سورج کی سالانہ حرکت خط جدی اور خط سرطان کے درمیان محدود کر دی گئی ہے ان دو خطوط کے درمیان جتنے بھی علاقے ہیں جب سورج کے عین محاذات پر آتے ہیں وہاں گرمی کی

شدت بڑھتی ہے اگر چہ ان میں میدان و پہاڑ کا موسم فی نفسہ مختلف ہوتا ہے۔ یہ تینوں خطوط شرقاً و غرباً فرض کر لئے گئے ہیں۔ اس تقسیم میں براعظم یا کسی اقلیم کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ ان فرضی خطوط میں چاہے پانی آ جائے یا خشک پہاڑ ہوں یا میدان شرق ہو یا غرب سب کو یہ مفروضہ شامل ہے۔

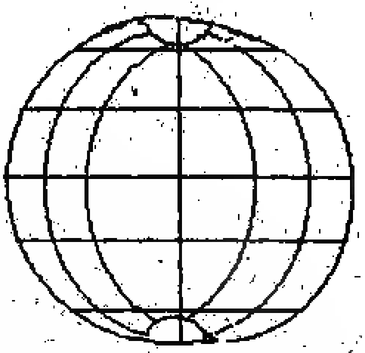

دوسری تقسیم نفس الامری ہے۔ اس تقسیم میں صرف وہ حصے داخل ہیں جن کے وجود کی تصدیق ہو چکی ہے۔ یہ کل سات براعظم کہلاتے ہیں ان کا رقبہ کل ملا کر تقریباً ۲۹ فیصد بنتا ہے جبکہ پانی میں مستور علاقہ کا رقبہ ۷۱ فیصد ہے۔

براعظم کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ چاروں اطراف سے پانی میں گھرا ہوا ہو بلکہ یہ اصطلاح تغلیباً رائج کر دی گئی ہے مثلاً ایشیا اور یورپ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں مگر پھر بھی یہ الگ الگ براعظم کہلاتے ہیں۔

دنیا کے نقشے پر خشکی کے چار بڑے ٹکڑے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا ٹکڑا دو براعظموں ایشیا اور یورپ پر مشتمل ہے ان کے جنوب مغرب میں افریقہ اور مغرب میں امریکہ کے دو براعظم شمالی و جنوبی واقع ہیں جبکہ براعظم آسٹریلیا ایشیا کے جنوب مشرق میں ہے۔ ان میں سب سے بڑا براعظم ایشیا ہے اور سب سے چھوٹا آسٹریلیا ہے یہ سب آباد ہیں ان کے علاوہ ایک غیر آباد براعظم قطب جنوبی میں واقع

ہے اس کا نام انٹارکٹیکا ہے۔ اس طرح یہ کل سات براعظم ہوگئے۔

(۱) ایشیا (۲) یورپ (۳) افریقہ (۴) شمالی امریکہ (۵) جنوبی امریکہ (۶) آسٹریلیا اور (۷) انٹارکٹیکا۔

اگر آپ کسی بھی کرہ میں مثلاً گیند وغیرہ کے بالکل درمیان میں ایک خط فرض کرلیں اور اس کے گرد اسے حرکت دیں تو اس خط کے درمیان میں بالائی حصہ پر حرکت سب سے تیز ہوگی اور بتدریج کم ہوتی ہوئی اس فرضی خط کے دونوں سروں پر جاکر یہ حرکت تقریباً ختم ہوجاتی ہے اس خط کو محور کہتے ہیں اور اس کے دونوں کنارے قطبین کہلاتے ہیں جس کا مفرد قطب کہلاتا ہے اسی طرح اگر زمین میں مغرب سے مشرق کی جانب گولائی میں حرکت فرض کرلی جائے تو یہ بھی اس اندرونی خط کے گرد گھومتی رہے گی لہٰذا ایک نقطہ انتہائی جنوب پر بنے گا اور دوسرا اس کے بالمقابل انتہائی شمال میں۔ یہی دو نقطے قطب جنوبی اور قطب شمالی ہیں۔ چونکہ سورج کی حرکت زمین کے بالکل وسط پر واقع خط استواء اور اس کے دونوں جانب خط جدی اور سرطان تک محدود ہے اس لئے دونوں قطبین ہمیشہ بہت سرد رہتے ہیں اور انسانی زندگی کے لئے نامساعد حالات کی وجہ سے نامناسب ہیں۔

جس طرح خشک حصے کے بڑے ٹکڑے کو براعظم اور چھوٹے کو برصغیر کہتے ہیں ٹھیک اسی طرح جو پانی ان خشک حصوں پر محیط یا مشتمل ہے اس کی وافر مقدار کو بحر (سمندر) اور نسبتاً کم مقدار کو بُحَیْرَہ (بتصغیر یعنی چھوٹا سمندر) کہا جاتا ہے پھر اس کا کچھ حصہ خشکی کے اندر تک چلا جائے تو اسے خلیج کہتے ہیں۔ یہ سب پانی باہم ملا ہوا ہوتا ہے سوائے ان بحیروں کے جو جھیل کی طرح چاروں طرف سے خشکی میں گھرے ہوئے

ہوں جیسے بحیرہ کیسپین اور بحیرہ ارال وغیرہما۔

آج کل ان منقسم حصوں کو سمجھنا بہت آسان ہے جغرافیہ کی عام کتب کے بنے ہوئے نقشوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔

پھر ان پانیوں کی مجموعی اعتبار سے دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو زمین کے گرداگرد مستقل طور پر موجود ہے جسے ہم سمندری پانی کہتے ہیں' دوم وہ جو بارش یا چشموں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے پہلی قسم کھاری ہے جبکہ دوسری قسم کا پانی میٹھا ہوتا ہے اس میں نمک کی آمیزش نہیں ہوتی۔

حکمت باری تعالیٰ:۔

اللہ عزوجل کی حکمت دیکھیے کہ انسان کے فائدہ کے لئے ان دونوں قسموں کی تخلیق کردی۔ سمندر کے پانی میں بھی بے شمار فوائد ہیں میٹھے پانی میں بھی لاتعداد فائدے ہیں۔

زمانہ قدیم سے لیکر آج تک سمندر نقل وحمل کا سب سے بڑا ذریعہ ہے آج اس میں تیل کی قوت سے چلنے والے جہاز رواں دواں رہتے ہیں مگر پہلے مختلف ہواؤں کی بدولت لوگ اپنی منزل تک رسائی حاصل کر لیتے تھے اسی میں موتی اور موگریاں ہوتی ہیں اس میں سے سال بھر مچھلیاں شکار کی جاسکتی ہیں۔ پانی میں نمک کی بدولت مرے ہوئے جانوروں کی بدبو پھیلتی نہیں اس کی نمکین ہواؤں کی وجہ سے سمندر سے باہر بھی جو بدبودار چیزیں ہوتی ہیں ان کی بدبو کو کم کرنے میں کافی مدد ملتی ہے گویا یہ ہوا اور فضا کو فلٹر کرنے کا پلانٹ ہے۔ سمندر سے اٹھنے والی ہواؤں میں نمکین ذرات فضا میں تحلیل

ہوکر بارش کا سبب بنتے ہیں پھر جب وہ نیچے آتے ہیں تو بالکل خوشگوار ہوتے ہیں سمندر کے پانی سے نمک حاصل کیا جاسکتا ہے جو ہماری غذاؤں کا اہم عنصر ہے۔

میٹھے پانی کو ہم پیتے ہیں اس سے کھانا پکانے میں مدد لیتے ہیں غسل اور کپڑے دھونے میں یہی پانی استعمال ہوتا ہے زندگی کی اکثر ضروریات اسی سے پوری کی جاتی ہیں یہ ہمارے جانوروں کی بھی خوراک ہے یہ کاشتکاری کے کام بھی آسکتا ہے نباتات بھی اسی کی مرہون منت ہیں۔

پھر یہ پانی ہماری ضرورت کے مطابق ہے نہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ زمین ساری کیچڑ اور دلدل بن جائے مسلسل بارش بھی نہیں ہوتی ہے کہ زندگی مشکل بن جائے اور فصلیں تباہ ہوں اور نہ ہی اتنی قلیل مقدار میں نازل ہوتا ہے کہ پینے کے لئے بھی کافی نہ ہو اور خشکی کی وجہ سے سب مرجائیں جہاں بارشوں کا سلسلہ کم ہوتا ہے وہاں تک اللہ نے دریاؤں کے ذریعے پانی پہنچایا جن سے لوگ حسب ضرورت نہریں نکالتے ہیں۔

سمندر کے پانی میں اگر طغیانی آتی ہے تو ساحل پر آکر وہ دم توڑ دیتی ہے اس لئے عموماً یہ ہمارے خشک حصے پر قبضہ نہیں کرسکتا پھر جو حصہ زمین کا خشک رہ گیا ہے یہ انسانی زندگی کے لئے بالکل کافی ہے اس میں سے اتنی خوراک حاصل کی جاسکتی ہے جو انسان کی غذا کے لئے کافی ہے بلکہ جانوروں کے چارے کے لئے بھی کفایت کرجاتی ہے۔ جس طرح یہ زمین زندوں کے لیے کافی ہے اسی طرح مردوں کے لئے بھی اس میں کفایت کا سامان کیا گیا ہے اس کی پشت زندوں کے لئے اور پیٹ مُردوں کے لئے ہے اس کے پیٹ میں جو مردے چلے جاتے ہیں ان کی بدبو سے

زندوں کی زندگی پر اثر نہیں پڑتا اس زمین کی ساخت اس تناسب سے ہے کہ اس میں ضرورت اور سہولت کی تمام اشیاء پائی جاتی ہیں اگر یہ لوہے کی طرح سخت ہوتی یا راکھ کی طرح نرم یا دلدل کی طرح کیچڑ ہوتی یا پھر خالص چٹیل میدان ہوتی اس میں نہ پانی ہوتا نہ نباتات تو بتایئے انسان کیا کر سکتا تھا؟ اسی پانی کی بناء پر اللہ نے اس میں درخت اگائے جن میں بے شمار فوائد اور منافع ہیں یہ غذاؤں' موسم اور تعمیرات میں بہت کام آتے ہیں۔

دوسرا باب

انسان کی پیدائش اور اس کا مقصد

ہماری نظروں سے کائنات کے جو حصے اوجھل ہیں یا ہمارے دائرۂ علم سے باہر ہیں نہ معلوم کہ ان کا حال کیا ہے مگر جن مخلوقات کا ہم کسی حد تک احاطۂ علمی کر چکے ہیں اس سے اللہ عزوجل کی حاکمیت' قدرت اور حکمتوں کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جو ذات اتنی وسیع کائنات پر حکم نافذ کرے اور کوئی اس کے فرمان سے سرِ مو اختلاف نہ کر سکے اس کی عظمت و کبریائی کا کیا حال ہوگا؟ وہ اللہ کتنا حکیم ہوگا؟ کتنا قادر ہوگا؟ اور کتنا علیم ہوگا؟ اور نقص و عیب سے کتنا منزہ اور پاک ہوگا؟ یہ سب کائنات بزبان حال اس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے بلکہ ان میں بہت سے بزبان قال بھی اللہ کی حمد وثنا اور تسبیح میں پوری طرح مشغول ہیں مگر ان اشیا کو اس عبادت میں کوئی رکاوٹ درپیش نہیں۔ فرشتے اگر اللہ کے لئے نماز پڑھیں تو انہیں یہ سہولت حاصل ہے کہ ان پر معاش کی فکر سوار نہیں اگر وہ روزہ رکھیں تو وہ بھوک سے بے نیاز ہیں اور زندگی بھر تسبیح ہی پڑھتے رہیں تو وہ تھکن سے مبرا ہیں اسی طرح دیگر کائنات عبادات میں پیش آنے والی مشکلات سے محفوظ ہیں گویا ایسی صورت حال میں انکی قوت عبادت بطور کمال کے ظاہر نہیں ہو سکتی کسی چیز کی قوت اور طاقت کا پتہ تب چلتا ہے جبکہ اس کی ضد موجود ہو۔

کوئی شہ سوار اس وقت تک اپنی مسابقت کا ثبوت نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ میدان میں مدمقابل نہ ہو۔ پہلوان اپنی طاقت کا اظہار تب کر سکتا ہے جبکہ اسے عاجز کرنے والی قوت اس کے مقابلہ میں آئے۔

چنانچہ اللہ کی حکمت اور پسند کا تقاضا تھا کہ پوری قوت سے اس کی عبادت کی جائے اس کی کبریائی کی گونج ان جگہوں میں بھی سنائی دے جہاں اسے دبانے کی کوشش ہو رہی ہو جہاں اس بازگشت کو روکنے کی پوری قوت موجود ہو"انما الاشیاء تعرف باضدادھا" یعنی اشیاء کی حقیقت تضاد کے وقت معلوم ہوتی ہے۔

انسان ایسی مخلوق ہے جس کے اندر بہت سے متضاد عناصر جمع ہیں۔ اس میں ایسے مختلف پہلو ہیں کہ ان میں اچھائی کا پہلو تھامنے سے یہ ملأ اعلیٰ تک پہنچ سکتا ہے جبکہ برائی کا دامن پکڑنے سے یہ حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اس کا جسم وہ میدان ہے جس میں دو مقابل قوتیں نہ صرف آمنے سامنے ہیں بلکہ زندگی کا کوئی لمحہ مقابلے اور معرکے کے بغیر نہیں گذرتا۔ یہ مقابلہ بہت سخت اور کٹھن ہے یہ اس قابل ہے کہ سب مخلوق یا اکثریت اس کا تماشا دیکھے اس کے نتیجے کا انتظار کرے اور کامیاب ہونے والوں میں تقسیم انعامات پر خوشی کا اظہار کرے۔

پھر یہ مقابلہ دو اعتبار سے اہم ہے۔ ایک اندرونی طور پر دوسرا خارجی اعتبار سے کیونکہ جس طرح انسان کے جسم میں دو مخالف قوتیں کارفرما ہیں ایک برائی کی دوسری نیکی کی اسی طرح اس کے ماحول میں بھی ہمہ وقت دو طاقتیں سرگرم عمل رہتی ہیں۔ ہر انسان کو اس معرکہ حق و باطل میں کسی ایک فریق کا ساتھ ضرور دینا ہے یہ ممکن نہیں کہ وہ دونوں سے دوستی کرے یا دونوں کو ہرا دے یا غیر جانبدار رہے پس وہ

انتخاب کرکے میدان میں اترے لیکن یہ یادرکھنا چاہیے کہ اس میدان عمل کی یہ خصوصیت ہے کہ آدمی دھوکہ بہت کھا جاتا ہے وہ اس طرح کہ باطل قوت بہت چالاک ہے وہ اپنی شرانگیزی کے ساتھ شورانگیز بھی بہت ہے' وہ دکھاتی کچھ ہے اور دیتی کچھ اور ہے' اس کا پروپیگنڈہ بڑا شاطرانہ ہے اس نے اپنی عیاری اور فریب کاری سے بے شمار خلقت کو واصل جہنم کر دیا ہے۔ عقلمند کو چاہئے کہ اس میدان کارزار میں کودنے سے پہلے خوب سوچ لے اور کسی ماہر و خیر خواہ سے رہنمائی حاصل کرلے کہ کبھی اپنی سوچ اور خود ساختہ طریقہ بری طرح پھسلنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ خاص کر اگر کوئی غافل تغافل یا غفلت کرتا ہے تو اس کی کامیابی کا امکان بہت کم رہتا ہے۔

پھر سب سے مشکل حالت کا مقابلہ چونکہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں اس لئے یہ کام خاص الخاص اور منتخب وانتہائی ذمہ دار اشخاص کو سونپا گیا۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام کیسے پیچیدہ ماحول میں مبعوث ہوئے مثلاً حضرت نوح علیہ السلام تقریباً ایک ہزار سال تک دعوت حق پر مامور رہے مگر کبھی انہوں نے اف تک نہیں کی سارا معاشرہ مخالف حتی کہ رفیق حیات اور اپنا حقیقی بیٹا بھی ساتھ دینے کو تیار نہیں' گھر کے اندر اور بیرون خانہ مخالفت وعداوت کا طوفان ہر وقت امڈ آنے کے لئے تیار رہتا مگر انہوں نے کس طرح اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی طرح کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا بلکہ بالآخر اپنی جان قربان کرنے کے لئے بخوشی تیار ہوئے باپ کو چھوڑنا پڑا تو بلا تامل برداشت کیا گھر کو خیر باد کہنا پڑا تو بلا جھجک قبول فرمالیا۔ قدم قدم پر مشکلات درپیش مگر اللہ کے اس خاص بندے کے لب پر نہ کبھی شکوہ کی جنبش دیکھی گئی اور نہ حاشیہ خیال میں

کبھی گلہ کا تصور آیا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ اور المناک داستان سے تو قرآن کے مختلف حصے پردہ کشائی کرتے ہیں جس ظالم اور طاقتور بادشاہ سے واسطہ پڑا تھا وہ نمرود سے کچھ کم تو نہ تھا اس کے تکبر کا یہ عالم تھا کہ خودکو ابناء انسان سے بالاتر سمجھتا تھا بلکہ اس کا زعم تو اسے الوہیت کے دعوے تک لے گیا اس کی مکاری اور فریب کاری پر قرآن ناطق ہے اس نے گویا ظلم کے وہ باب رقم کئے ہیں جو نہ پہلے کسی کے حاشیہ دماغ میں آئے ہونگے اور نہ بعد میں' وہ اس دنیا کا واحد آدمی ہے جو غرور اور حماقت کی بناء پر حد آدمیت سے بہت آگے نکلا بلکہ سب سے دور جا نکلا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری قوت سے اس کا مقابلہ کیا۔ بالآخر وہ پانی میں ڈوب گیا۔ ''سلام علی موسیٰ فی العالمین''۔

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی والدہ جن تہمتوں کا نشانہ بنے اس کی گواہی قرآن دیتا ہے یہود جیسی قوم سے ان کا واسطہ پڑا تھا جنہوں نے ہزاروں انبیاء علیہم السلام کو بغیر کسی جرم اور بلا کسی وجہ کے قتل کردیا گویا ان کی ہٹ دھرمی جیسے آج باعث تعجب ہے پہلے بھی تھی بلکہ اس وقت تو وہ طاقتور تھے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں وہ کسی بھی وقت کوئی قدم اٹھا سکتے تھے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نہ صرف جھوٹے الزامات لگائے تھے بلکہ ان کے قتل کی پوری کوشش کی اگر چہ اس میں انکو مکمل ناکامی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا۔ پھر جب وہ نزول فرمائیں گے تو حالات پہلے سے کچھ زیادہ بہتر نہ ہونگے ان کو بھی ایک فرعونی طاقت کا مقابلہ کرنا ہوگا جس میں وہ سرخرو ثابت ہونگے گویا اللہ کی حکمت اس کو مقتضی

ہے کہ جب دنیا کے حالات ایسے پیچیدہ ہونگے جن کا حل سوائے نبی کے کسی آدمی کے پاس نہیں ہوگا اور نبوت ختم ہو چکی ہے لہٰذا ان کو اس مشکل گھڑی کے لئے محفوظ رکھ کر دنیا پر نازل فرمائیں گے تاکہ اللہ کی خلقت ان کی بدولت سکھ کا سانس لے سکے اس لئے ترمذی کی روایت میں ہے کہ ان کے سانس میں اللہ یہ تاثیر رکھ دیگا کہ تاحد نگاہ کوئی کافر اس منہ مبارک کی ہوا سے زندہ نہ رہ سکے گا گویا یہ ایٹم بم کا جواب ہے۔ (تدبر) علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضور پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس ماحول میں مبعوث ہوئے ان سے امت کے سب لوگ واقف ہیں کہ مکان بعثت نہایت افضل ہے مگر اس میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی جن کی رذالت قرآن میں جابجا بیان کی گئی ہے اس امت کے فرعون ابوجہل کا تو حضور علیہ السلام کی مخالفت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشکلات ڈھونڈنے کے سوا کوئی اور کام نہ تھا وہ لوگوں کو اکساتا تھا کہ بنو ہاشم کا اقتصادی اور انسانی بائیکاٹ کریں جب اس سے کام نہ چلا تو قتل کی سازشیں کرنے لگا اس پر انعامات مقرر کئے اور جب آپ مکہ سے نکلے تو یہ لوگ تعاقب کو ضروری سمجھ کر آپ کی تلاش میں حجر، شجر اور مدر وغیرہ ہر چیز کو ٹٹولتے رہے۔

ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"ولقد اوذیت فی اللّٰہ ولم یؤذ احد ولقد اتت علی ثلثون من بین یوم ولیلۃ ومالی ولبلال طعام یاکلہ ذو کبد الاشیئ یواریہ ابط بلال"۔

''یعنی مجھے اللہ کے دین کے سلسلہ میں اتنی تکلیفیں دی گئیں جو کسی کو نہیں دی گئی ہیں اور مجھ پر پورے (مسلسل) تیس شب وروز ایسے گذرے ہیں جن میں میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ترجگر والا کھا سکے سوائے اتنی چیز کے جس کو بلال اپنی بغل میں دبا لیتے''۔ (باب بلا ترجمہ ص:۳۰۷ ج:۲)

اس لئے اولاً حضرات انبیاء علیہم السلام کے انعامات سب سے زیادہ رکھے گئے پھر درجہ بدرجہ الامثل فالامثل۔

اس کے برعکس جو لوگ مخالف سمت چلیں گے ان کے لئے سزا مقرر ہے جس کا تذکرہ ان شاء اللہ باب سوم میں آئے گا۔

انسانی زندگی کا آغاز:۔

یہ حقیقت تقریباً تمام اہل ملل میں مسلم ہے کہ انسان خاکی ہے مٹی سے بنا ہے اس کی غذا بھی زمین سے نکلتی ہے اور مرنے کے بعد وہ پھر مٹی میں مل جاتا ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ انسان کا آغاز کہاں سے ہوا ہے؟ اس میں مذاہب سماویہ کے علاوہ دیگر اقوام بہت سے توہمات کا شکار ہوئی ہیں وہ اس حوالے سے طرح طرح کے مفروضے بناتے ہیں کبھی انسان کو بندر سے جوڑتے ہیں تو کبھی مینڈک سے اس کا سلسلہ نسب ملاتے ہیں مگر ان واہیات نظریات کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ یہ رائے قابل التفات ہے اس کی تردید میں تعب ومحنت بھی کار حماقت ہے کیونکہ احمقوں کو جواب دینا عندالعقلاء بذات خود بے وقوفی کے زمرے میں آتا ہے لہٰذا اس نظریئے کے ابطال میں وقت کا ضیاع وقت کی بے قدری ہے۔

اہل ملل سماویہ کے نزدیک سارے انسان آپس میں بشری رشتے میں جڑے ہوئے ہیں یہ ایک ہی انسان (حضرت آدمؑ) کی نسل ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو ابوالبشر یعنی آدمیوں اور لوگوں کا باپ کہتے ہیں حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اللہ عزوجل نے ساری انسانیت کو ان کی پشت سے پیدا فرمایا اور حضرت حوا علیہا السلام کو ان کی پسلی سے جیسے کہ صحیح نصوص سے ثابت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر کے لئے روئے زمین کے اطراف و اکناف سے مٹی حاصل کی گئی جو مختلف رنگوں اور خاصیتوں کی حامل تھی اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کی اولاد میں وہی فطرت پائی جاتی ہے کوئی سرخ وسفید ہے کوئی کالا ہے کوئی نرم ہے تو کوئی سخت مزاج، یہ خمیر چالیس سال تک مسلسل بے جان لاش اور ڈھانچے کی طرح اللہ کے حکم کا منتظر رہا اللہ عزوجل نے فرشتوں کو متنبہ فرمایا تھا کہ جب میں اس کے اندر روح ڈالوں گا تو تم سب اسکو (تعظیماً) سجدہ کرنا چنانچہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ یہ اگرچہ ناری اور جنات کی جنس میں سے تھا مگر اپنی کثرت عبادت اور ظاہری شرافت کی بناء پر فرشتوں میں گھل مل کر رہا کرتا تھا وہ شدید حسد کی بناء پر اور انتہائی تکبر کی وجہ سے سجدہ سے منکر ہوا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

ابلیس علیہ اللعنۃ سے جب اللہ نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے جو عذر کیا وہ بدتر از گناہ تھا اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔

اس نافرمانی پر اللہ نے اسے اپنی رحمت خاصہ سے محروم کردیا بجائے نادم ہونے کے یہ مردود آتش حسد میں جل کر مزید طیش میں آ گیا اور اولاد آدم کو دھمکیاں دینے لگا اور عداوت کے لیے مہلت مانگنے لگا چنانچہ اسے قیامت تک مہلت دے دی گئی جو انسانی سفر کا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن ہے یہیں سے معرکہ حق و باطل شروع ہوا۔

ربوبیت اور انسانی فطرت:۔

اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے مسامات کے راستوں سے ان کی ذریت پیدا فرمائی اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا جس پر سب نے مل کر اثبات میں جواب دیا اللہ نے فرمایا"الست بربکم "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟"قالوا بلیٰ "سب نے کہا کیوں نہیں!

تاہم ان میں بعض ایسے تھے جنہوں نے صدق دل اور فرط محبت سے یہ اقرار کرلیا جب کہ بعض نے مرعوب ہو کر جواب دیا گویا یہ وعدہ انسان کی فطرت اور جبلت میں داخل کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج عملی میدان میں ہر انسان مافوق الفطرت ایسی ہستی کی ربوبیت ماننے پر مجبور ہے جس کا انکار اس کے لئے بداہت کے انکار سے کسی طرح کم نہیں یہ الگ بات ہے کہ ماحول کی گندگی یا عقل کی گمراہی یا پھر والدین کی بے راہ روی اسے رب حق کے بجائے مجازی ارباب کی جانب موڑ دیتی ہے وہ کبھی سورج اور ستاروں کو اپنا کارساز سمجھتا ہے کبھی اسے آگ میں ربوبیت نظر آتی ہے کبھی اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے مجسمے کو خدا مانتا ہے یا پھر کسی انسان' فرشتہ اور جن کو

رب کہتا ہے یہ تمام گروہ گمراہ ہیں کہ وہ صحیح سمت پر جانے کی بجائے بہت غلط راستوں پر چلتے ہیں جو منزل وہ ان ٹیڑھے راستوں میں تلاش کرتے ہیں وہ اس تک کبھی بھی پہنچنے والے نہیں الا یہ کہ وہ سیدھی راہ پر آ جائیں۔

انسان سے پہلے زمین پر زندگی:۔

البدایہ والنہایہ ودیگر تواریخ کے مطابق انسان سے پہلے زمین پر جنات آباد تھے جن کا دور سلطنت کوئی دو ہزار سال پر مشتمل تھا گویا ان کی تخلیق بدھ کے دن ہوئی تھی جنات سے قبل حن اور بن تھے اللہ نے ان پر جنات مسلط کر دیئے جنہوں نے حن اور بن کے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا اور بعض کو جلاوطن کر دیا تاہم وہ پھر کہاں گئے؟ ختم ہوئے یا ابھی تک جنات کی طرح باقی ہیں؟ اس سلسلے میں کوئی قابل اعتماد روایت میری نظر سے نہیں گذری البتہ جنات کا وجود قرآن پاک اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

کائنات انسان کے لئے اور انسان عبادت کے لئے ہے:۔

اللہ کی ذات کے سوا موجودات میں کوئی چیز منفرد نہیں ہے صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے باقی اشیاء میں جو بھی وجود رکھتا ہے وہ کسی نہ کسی طرح دوسری چیز سے جڑا ہوا ہے' اس کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے دوہرے پن سے فائدے حاصل ہوتے ہیں مثلاً زمین بغیر آسمان اور بارش کے پیداوار نہیں دے سکتی' چاند سورج سے روشنی اور سورج جہنم سے حرارت لیتا ہے۔ نباتات اور حیوانات میں کوئی مادہ بغیر نر کے اور نر بغیر مادہ کے کسی کو جنم نہیں دے سکتا یہ سلسلہ اللہ نے اس لئے جاری فرمایا ہے تاکہ انسانی سفر میں بقاء کے لئے اشیائے ضرورت وسہولت مہیا ہوں لیکن یہ سب کام محض کھیل تماشے

کیلئے نہیں کئے کہ انسان صرف اپنا پیٹ بھرتا رہے اور جانور کی طرح سوتا رہے یا لہو ولعب میں پڑا رہے اتنی وسیع کائنات کو اس کی خدمت میں اس لئے لگایا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرے جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اللہ اسے جو حکم دے وہ اسے اس طرح مانے جیسے ایک غلام اپنے آقا کی بات بلاچون وچرا مانتا ہے وہ اس میں ٹال مٹول نہ کرے اگر کسی بات کی حکمت اس کی عقل میں نہ آئے تو وہ عقلمندی کے زعم میں خرمست نہ بنے بسا اوقات عقلمندی کا دعویدار بے وقوفی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اسے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اتنا وسیع نظام بلا مقصد نہیں چلایا جارہا ہے۔ اگر یہ سب بلا مقصد ہوتا تو کیا ضرورت تھی کہ سورج قرنہا قرن سے مقررہ رفتار پر چل رہا ہے کیا باعث تھا کہ ہمیں وقت وقت پر بارشوں غلوں اور ہواؤں سے نوازا جارہا ہے؟ آخر یہ انبیاء علیہم السلام کیوں مبعوث کئے گئے؟ ان کے دشمنوں کو کیوں نیست ونابود کر دیا گیا؟ کیا کسی نے کبھی سنا ہے کہ کوئی نبی عذاب کی زد میں آ گیا ہو؟ تو کیا یہ دلیل اس نظریہ کے اثبات کے لئے کافی نہیں کہ اللہ ہم سے کچھ مطالبہ فرما رہا ہے اور اسے بہر حال پورا کرانا چاہتا ہے؟

کم عقلوں کی کثرت میں اللہ کی حکمت:۔

مشاہدہ اور تجربہ گواہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت کثرت سے متاثر ہو جاتی ہے بعض دفعہ ایک آدمی وہ کام بھی کر گذرتا ہے جس کا کوئی فائدہ اسے نظر نہ آتا ہو وہ صرف اس لئے اس میں دلچسپی لیتا ہے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں خصوصاً ایسے لوگوں کی

موافقت بہت پسند کی جاتی ہے جو لوگوں کی نظروں میں معتبر شخصیات ہوں۔ اس لئے آپ کو دنیا کے لوگوں میں ایک جیسی عادات بہت کم ملیں گی بلکہ ہر قوم اور علاقے کے رواج دوسرں سے مختلف ہوتے ہیں کسی علاقے میں سگریٹ پینے کا رواج زیادہ ہوتا ہے اور کسی میں نسوار اور پان کا۔ کسی قوم میں لباس کا ایک طریقہ ہوتا ہے کسی میں دوسرا‘ شادی کی رسومات‘ مہمان نوازی کے طور طریقے باہم رہن سہن الغرض شعبہائے زندگی کے ہر پہلو میں سب لوگوں میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ اسی نفسیات پر مبنی ہے کہ جب کسی منطقہ یا قوم میں کوئی معتبر شخص کوئی کام کر لیتا ہے تو اس کے عقیدت مند اندھی تقلید کی بناء پر یا مفادات کے پیش نظر اس کی موافقت کر لیتے ہیں پھر دوسرے لوگ خصوصاً نچلی ذات کے افراد ان کی دیکھا دیکھی اس راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں مثلاً ایک شخص کو نسوار یا سگریٹ کی عادت نہیں تو لوگ اس سے یہی کہتے رہتے ہیں کہ جب دوسرے لوگ ایسا کرتے ہیں تم بھی اس کی عادت بنالو چنانچہ وہ اس عمل کے آغاز میں پیش آنے والی تکالیف کو برداشت کرتا ہے مگر لوگوں کی صف میں شمولیت کا عزم نہیں چھوڑتا۔

اسی پر قیاس کر کے کہا جائے گا کہ جس طرح اللہ نے انسان کے فائدہ کے لئے کائنات کو مسخر کر دیا ہے ٹھیک اسی طرح انسانوں میں بہت سارے لوگوں کو کم عقل بنا کر خاصان کی خدمت پر مامور کر دیا ہے گویا انسانوں کے کچھ افراد میں کم عقلی اللہ کی حکمت کے عین موافق ہے اس لئے مشہور مفسر ابو سعودؒ نے یہ مشہور مقولہ ”لولا الحمقاء لبطلت الدنیا“ (اگر احمق نہ ہوتے تو دنیا کا نظام نیست و نابود ہو جاتا) نقل کر کے لکھا ہے کہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ سب لوگ ایمان والے نہ

ہوں کیونکہ انسان کی بقاء کے لئے جس طرح دیگر کائنات کے فوائد ضروری تھے اسی طرح دنیا کے نظام کے لئے کچھ آدمی ایسے بھی ہونے چاہئیں جو اسی دنیا کو مقصد بنائیں اس میں ترقی کو کمال سمجھیں آج اگر مشرقی اور مغربی ممالک نہ ہوتے تو مسلمانوں کے پاس کار کہاں سے آتی؟ الیکٹرانک کا سامان کہاں سے ملتا؟ تیل برآمد کرنے کے آلات اور ہوائی جہاز وغیرہ کہاں سے مہیا ہوتے؟ پھر ان کو دیکھ کر ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان بھی ان کی تہذیب اور سیاست اپنانے کے ساتھ ساتھ وہ ہنر حاصل کر لیتے ہیں اور حسب عقل اس میں لگ جاتے ہیں، کوئی اس کام کو اتنا اہم سمجھتا ہے کہ اس کی خاطر نماز اور روزہ بھی ترک کر دیتا ہے گویا یہ سب لوگ خواص کی خدمت کر رہے ہیں اللہ کے نیک بندے اپنے مقصد اصلی عبادت میں لگے ہوئے ہیں مگر جاپان میں بنی ہوئی گاڑی ان کو لینے کے لئے آتی ہے سہولیات دونوں کو حاصل ہیں، ضروریات دونوں کی پوری ہو رہی ہیں مگر مقصد اور منزل دونوں کی الگ الگ ہے ایک فریق فکر آخرت سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کرتا ہے دوسرا اس کے برعکس دنیا سے بے پرواہ ہو کر اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ پھر بھی اس کی خاطر خواہ خدمت من جانب اللہ ہو رہی ہے۔

آسان لفظوں میں یوں سمجھنا چاہیے کہ کثرت سے متاثر ہو کر اور بڑے بڑے دنیاداروں کی بزعمِ خود قابل رشک زندگی دیکھ کر بہت سے لوگ اپنا مقصد بھول جاتے ہیں جو اگرچہ اپنی خدمت کرنا چاہتے ہیں مگر بالواسطہ وہ اہل حق کی خدمت کر رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے کئی گنا زیادہ جمع کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، نہ اس میں سے اللہ کا حق دیتے ہیں اور نہ کسی راہ حق میں صرف کرتے ہیں بلکہ اسے دنیاوی کاموں میں خرچ کر کے مزید ترقی چاہتے ہیں۔ الغرض

ساری کائنات انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے اور اہل حق کی خدمت کائنات اور اکثر انسانوں کی جانب سے ہورہی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات کا نظام درحقیقت نیک بندگان خدا کی خدمت کے لئے جاری وساری ہے۔

ہر چیز عقل میں نہیں آسکتی:۔

بعض لوگ انگریزی زبان میں مہارت حاصل کرلیتے ہیں اور روانی سے بولنے کا ملکہ ان میں راسخ ہوجاتا ہے اسی طرح کچھ لوگ ایک ہنر سیکھ لیتے ہیں اور اس کے ذریعے اپنی معیشت کو سہارا دیتے ہیں اس کمال سے ان میں یہ زعم جنم لیتا ہے کہ ہم عقلمندی کی اوج پر پہنچے ہوئے ہیں پھر وہ اس خوش فہمی کے نتیجے میں زندگی کے ہر شعبے میں رائے زنی کرنے لگ جاتے ہیں وہ اپنے فن کے علاوہ دیگر تمام فنون میں بھی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ ان کی نادانی ہوتی ہے کیونکہ پہلے فریق نے صرف زبان سیکھ لی ہے اگر وہ اس سے پہلے اپنی مادری زبان کی وجہ سے عقلمند نہیں تھا تو اب اس کے پاس عقل کہاں سے آگئی؟ کیا کسی زبان کے حروف اور الفاظ جاننے سے انسان عقل مند ہوجاتا ہے؟ عقل غریزی تو فطری چیز ہے' کیا انگریز ساری دنیا کے عقلاء سے بھی زیادہ ہوشیار ہیں کہ ان کے پاس عقل کی مشین انگریزی زبان موجود ہے؟

دوسرے فریق کو بھی چاہئے کہ وہ یہ سوچے کہ زندگی کے شعبے تو بے شمار ہیں اگر ہمیں کسی ایک شعبہ میں مہارت تامہ حاصل ہے تو ابھی ایسے مزید بہت سے امور باقی ہیں جن کے بارے میں ہماری معلومات صفر ہیں یا بہت کم ہیں لہٰذا یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ عقلمندی کسی ایک ہنر میں مہارت سے عبارت ہے۔

درحقیقت عقل کی مثال انسانی مزاج اور معدے کی طرح ایک غیر واضح حقیقت ہے اس کی کوئی ایسی جامع تعریف نہیں ہے کہ اس سے ساری انسانیت کی عقول کا معیار معلوم کیا جا سکے جس طرح ہر انسان کا مزاج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے ایک کا مزاج ایک چیز کو قبول کرتا ہے دوسرے کا دوسری شے کو پسند کرتا ہے ضروری نہیں کہ اگر کوئی چیز ایک آدمی کے مزاج کے موافق ہو تو ساری دنیا کو بھی وہ موافق آ جائے وہ بھی اسے پسند کریں۔ دیکھئے ہر آدمی اپنے بچوں سے شدید محبت کرتا ہے مگر وہی بچے جب مہمانوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات وہ مہمان انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ ان کی حرکات اور باتیں باپ کو تو معقول لگتی ہیں لیکن اغیار کو نامعقول معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص شیرینی کو پسند کرتا ہے تو کوئی دوسرا اس کو پسند نہیں کرتا علیٰ ہذا کسی کا معدہ ایک غذا کو آسانی سے ہضم کر لیتا ہے جبکہ وہی چیز دوسرے کے لئے مضر صحت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ اگر ایک عقلمند کو کوئی چیز معقول نظر آئے تو وہ نفس الامر اور واقعہ میں بھی معقول ہو۔ دیکھئے قرن اول سے لوگوں کے اطوار مختلف چلے آئے ہیں اختلاف کی وجہ یہی اختلاف رائے ہے ہندو بت کو سجدہ کرتے ہیں اور اسے عقلمندی سے تعبیر کرتے ہیں ان کے پڑھے لکھے سب گائے کا پیشاب متبرک سمجھتے ہیں مگر دوسری اقوام اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں چین کے لوگ بلی وغیرہ جانور کھاتے ہیں اور اسے دانشمندی کے موافق سمجھتے ہیں جبکہ ہم اسے درندگی کہتے ہیں۔

پھر ذرائع ادراک صرف حواس اور عقل ہی تو نہیں ان کے علاوہ بھی ایسے ذرائع ہیں جن سے حقائق کا پتہ چلایا جا سکتا ہے لہٰذا ہر چیز کو اپنی ہی عقل سے پرکھ کر خود

ہی فیصلہ کرنا اور اس کو حتمی سمجھنا عقلمندی نہیں۔

ادراک کے مختلف مراتب:۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ کسی بات کا سمجھ میں نہ آنا قابل رد نہیں، کیا معلوم کہ وہ تمہاری سمجھ سے بالاتر ہو کیونکہ ذرائع معرفت تو عقل کے سوا اور بھی ہیں مثلاً کوئی یہ کہہ کر عذاب قبر کا انکار کر دے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تو یہ غلط ہوگا کیونکہ وہ تو عقل کے دائرہ میں آتا ہی نہیں۔ لہٰذا جہاں تک عقل کی رسائی نہ ہوتی ہو اور وہ چیز عقل کے دائرہ کار میں نہ آتی ہو تو عقل سے اس کا ادراک کیسے ممکن ہے؟ اگر وہ پھر بھی نہیں سمجھا تو اس کی مثال اس شخص کی مانند ہوئی جو پانی پیتا رہے اور کہتا رہے کہ اس سے میری بھوک ختم نہیں ہوئی کیونکہ پانی کا کام بھوک مٹانا نہیں بلکہ پیاس بجھانا ہے بھوک اس کے دائرہ میں داخل ہی نہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہر معلوم کو عقل کی کسوٹی سے پرکھنا بذات خود عقل کی حقیقت سے ناواقفیت کی علامت ہے۔

عقل کی طرح اور بھی ایسے ذرائع ہیں جن سے اشیاء کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے جو بالترتیب درج ذیل ہیں۔ ان سب میں ضابطہ یہ ہے کہ جتنا حجاب اٹھتا ہے اسی قدر معلومات منکشف ہو جاتی ہیں۔

(۱) ''حواس'' یعنی کسی چیز کو حس سے معلوم کرنا جیسے مشاہدہ اور سماعت وغیرہ ہیں۔ اس قسم میں تمام جاندار شریک ہیں کیونکہ وہ بھی حواس سے مذکورہ استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

(۲) ''عقل'' یہ انسان اور دیگر حیوانات کے درمیان حد فاصل کا کام دیتی

ہے کہ عام جاندار اس سے محروم ہیں یہ انسان کی خصوصیت اور اللہ کی جانب سے ایک عظیم نعمت ہے مگر اس کو فلاح کا مدار نہیں بنانا چاہئے نہ اس پر زیادہ اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ جو چیز عقل کو نظر آتی ہے کبھی وہ قریب ہوتی ہے اور کبھی دور۔ دور والی اشیاء میں غلطی کا امکان زیادہ ہوتا ہے بعینہٖ جس طرح مشاہدہ دور کی چیز میں غلطی کرتا ہے عقل بھی کرتی ہے مثلاً آسمان کے ستارے ہمیں بہت چھوٹے نظر آتے ہیں سورج ایک روٹی کے برابر دکھائی دیتا ہے مگر اس کا اصل سائز یہی سمجھنا سنگین غلطی ہے۔

بہت سے حکماء اور فلاسفہ اس مقام میں رہ گئے اور ضلالت کا شکار ہو گئے کیونکہ اولاً تو انہوں نے اسی مقام عقل کو مقصود حقیقی سمجھا اور ثانیاً انہوں نے عقل کو ہر چیز کا معیار بنایا۔ خاص کر جب عقل میں خواہش نفسانی کی آمیزش ہو تو اس سے بڑھ کر گمراہ کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

(۳) ''قلب'' جب آدمی معقولات کا مقام طے کر لیتا ہے تو اس کے بعد مکاشفات کا نمبر آتا ہے جن کو کشف شہودی کہتے ہیں اس مقام میں مختلف قسم کے انوار منکشف ہوتے ہیں اسی مقام میں مکاشفات سری پیدا ہوتے ہیں اسی کو کشف الہامی کہتے ہیں اس سے تخلیق عالم کے اسرار اور ہر چیز کے وجود کی حکمت آدمی پر منکشف ہو جاتی ہے اور راز کھل جاتا ہے۔ یہ مقام عقل سے ماوراء ہے ضروری نہیں کہ ہر عاقل اس مقام تک پہنچ پائے بلکہ یہ کبھی کبھی مجذوب الحال شخص کو بھی حاصل ہو جاتا ہے تاہم اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو نفس کی ریاضتوں کے ذریعے حاصل ہو جیسے بدھ مت والوں کو ہوتا ہے اور آج کل ٹیلی پیتھی کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ قسم شرعاً نہ کوئی کمال ہے اور نہ انعام۔

دوسری قسم وہ جو منجانب اللہ ہو۔ یہ اگرچہ شرعی حجت تو نہیں ہے مگر بذات خود بہت مفید ہے۔

(۴) ''روح'' جب قلب صیقل ہو جاتا ہے تو اسی مناسبت سے روح بھی شفاف ہو جاتی ہے اس لئے مکاشفات روحی پیدا ہوتے ہیں اس کو کشف روحانی کہتے ہیں یہ مقام خواص کے ساتھ مختص ہے اس مقام پر بہشت و دوزخ اور ملائکہ کا دیکھنا' ان لوگوں کی باتیں سننا ان سے باتیں کرنا وغیرہ معاملات کا سامنا ہوتا ہے اور جب روح کو بالکل صفائی حاصل ہو گئی اور جسمانی کدورتیں بالکل زائل ہو گئیں تو عالم لامتناہی سے پردہ اٹھتا ہے حتی کہ زمان و مکان کا حجاب اٹھ جاتا ہے حضرت علیؓ اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ ہمیں ازل کا عہد ''الست '' یاد ہے اور یہ بھی کہ اس وقت ہمارے دائیں بائیں کون کھڑا تھا' معلوم ہے اور حضرت عمران بن حصینؓ سے فرشتے ملتے اور ان کو سلام کرتے تھے مگر جب انہوں نے داغ لگوائے تو یہ کیفیت ختم ہو گئی جس پر وہ افسوس کیا کرتے تھے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پشت کی جانب ویسے ہی دیکھتے تھے جیسے آگے کی طرف دیکھتے تھے اس مقام پر پہنچ کر گویا کشف و کرامات اختیاری چیز ہو جاتی ہے پانی پر چلنا یا آگ میں گھسنا اور ہوا میں اڑنا یا آن واحد میں زمین کا طے کرنا وغیرہ اسی آخری قسم میں داخل ہیں۔ اس میں بھی یہی بات ہے کہ کبھی یہ چیزیں مجاہدہ سے فساق اور گمراہ لوگوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہیں جیسے اشراقیین حکماء کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دور سے ایک دوسرے سے باتیں کرتے مناظرے کرتے توجہ ڈالتے تھے اس لئے ان اقسام کو شرح عقائد وغیرہ میں اسباب علم میں شامل نہیں کیا گیا۔ یعنی ان سے

یقین حاصل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ شرعی دلائل ہیں البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف والہام بھی وحی ہوتا ہے وہ شرعاً حجت اور علم یقین کے لئے مفید ہے کیونکہ اس میں غلطی اور خطا کا کوئی امکان نہیں رہتا وہ سو فیصد من جانب اللہ ہوتا ہے۔

(۵) ''وحی'' یہ علم کے حصول کا سب سے باعتماد ذریعہ ہے اس میں غلطی اور خطا کا کوئی امکان نہیں رہتا یہ درجہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے کسی اور کے لئے یہ مقام حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مگر آج کل کے دانشوروں پر تعجب ہے کہ وہ علم وحی کو نظر انداز کر کے عقل کی گمراہیوں اور توہمات کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ چونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے ان کے بعد کسی کو نبی بنا کر بھیجنے کا امکان نہیں رہا اس لئے یہ دروازہ بند ہو گیا ہے۔ ہاں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے مگر وہ حضور علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے تھے پھر اللہ نے ان کو فتنہ انگیزوں سے بچا کر عالم بالا میں محفوظ فرمایا پھر قیامت کے قریب ان کو نازل فرمائیں گے۔

بہر حال مذکورہ بالا درجات کا حصول ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے اس راہ میں لوگوں کی مساعی کے مختلف درجے ہیں اکثریت پہلے دائرے تک، قلیل مقدار دوسرے دائرے تک محدود ہے اور اقل قلیل تیسرے درجے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جبکہ آخری درجہ خاص الخاص لوگوں کا کام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت میں مختلف عناصر ہیں ان میں متعدد صلاحیتیں پائی جاتی ہیں لیکن ان کو بروئے کار لانے کے لئے محنت کی ضرورت رہتی ہے۔

انسان کی فطرت میں مختلف عناصر کی حکمت:۔

عقلاء کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کی فطرت میں جسمیت' حیوانیت' نمو' اور ادراک کی صلاحیت جیسے عناصر شامل ہیں لہٰذا ان کی تمام خصوصیات انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ انسانی فطرت کئی فطرتوں سے مرکب ہے اس لئے انسان کے مزاج میں وہ ساری خوبیاں اور خامیاں پائی جاتی ہیں جو ان اجزائے ترکیبیہ کی وساطت سے اس میں داخل ہوگئی ہیں گویا انسان کا مزاج کثیر المنزلہ عمارت کی مانند ہے اس کی پہلی منزل میں اس کے ساتھ تمام اجسام نباتات اور حیوانات شریک ہیں دوسری میں نباتات اور جاندار' تیسری میں فقط جاندار جبکہ آخری منزل میں یہ سب پر فائق اور دیگر مخلوق سے ممتاز ہو جاتا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت آخری منزل پر جانے سے رہ جاتی ہیں کہ اس کے لئے جس ہمت' عزم اور توفیق کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس سے محروم ہوتے ہیں وہ حیوانی درجہ پر اکتفاء کرتے ہیں اور اپنی زندگی اسی منزل کی زیب و زینت اور آرائش میں صرف کرتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کی حکمت کے مطابق اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لئے بھی لوگ چاہئے تھے اس لئے ایسے لوگوں کو بکثرت پیدا فرمایا جو صرف دنیا کی تعمیر و ترقی چاہتے ہیں۔ وہ یہ کام پورے انہماک سے کرتے رہتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں "ذالك مبلغهم من العلم" گویا ان کے علم کی انتہاء اور مقتضا یہی ہے مزید یہ کہ وہ ان لوگوں پر سخت تنقید بھی کرتے ہیں جو آگے کی طرف دیکھتے ہیں جس سے ان کے کام کی اہمیت بظاہر اور بڑھ جاتی ہے۔ تدبر

یہ لوگ حیوانی منزلت پر راضی اور مطمئن رہتے ہیں فرق یہ ہے کہ جو کام حیوانوں مین رائج ہوتا ہے یہ اسے مہذب انداز میں اپناتے ہیں ان کے اور عام جاندارون کے کھانے، جماع کرنے اور رہن سہن میں فرق ہوتا ہے کہ یہ ان امور کو دوسرے طریقے سے بروئے کار لاتے ہیں صبح سے شام تک حیوانی تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد آ کر گھروں میں سو جاتے ہیں جبکہ عام حیوانات جنگلوں میں چرتے اور غاروں میں رہتے ہیں باقی نہ ان کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہوتا ہے اور نہ ان کو اپنی زندگی کے نصب العین کا کچھ علم ہوتا ہے دونوں فریق روزہ نماز اور دیگر عبادات کی فکر سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ تمام کفار اور لادین اقوام کا یہی حال ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

چونکہ مزاج کا اثر ظاہر پر دکھائی دیتا ہے جیسا کہ صحبت کا اثر باطن اور مزاج پر پڑتا ہے اس لئے مشاہدہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ریٹائر ہونے کے بعد خصوصاً آخری عمر میں وہ لوگ انسان کے مقابلہ میں کتوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں انکا مزاج اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ وہ رات کو جاگتے ہیں اور صبح کو سو جاتے ہیں اور بھی ایسے واقعات ہیں جن کے لکھنے سے قلم شرماتا ہے۔

آج دنیا میں انسانیت کو جن مظالم کا نشانہ بنایا گیا ہے اس پر حقوق انسانی کی نام نہاد تنظیمیں خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہیں مگر روئے زمین پر کہیں بھی اگر کسی جانور کے ساتھ کوئی واقعہ ہو جائے تو یہ مرمٹنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو گائے کو انسان سے زیادہ محترم سمجھتے ہیں جبکہ مغربی لوگ کتے کو انسان سے زیادہ مقام دیتے ہیں۔ یہ مجانست کا اثر نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر جو لوگ اپنے اصل مقام پر پہنچ جاتے ہیں اس منزل کی وسعت کی وجہ

سے ان کے بھی مراتب ہیں کیونکہ ان لا متناہی درجات کو طے کرنے میں سب مسلمان برابر نہیں اس میں ادنی کلمہ گو سے لے کر انبیاء علیہم السلام تک تمام درجات کے لوگ داخل ہیں پھر سب سے اعلیٰ مقام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جس کا ہم ہر اذان کے بعد اپنی دعاء میں تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ مقام محمود اور وسیلہ کہلاتا ہے۔

جنتوں کے درجات مختلف ہیں:۔

جنتوں سے متعلق گفتگو تو ان شاء اللہ باب سوم میں آئے گی یہ باب اس کا موضوع نہیں ہے لیکن اجمالاً عرض کروں گا کہ جس طرح دنیا میں محنت، ریاضتوں اور سلوک کے درجات متفاوت بلکہ لا متناہی ہیں اسی طرح آخرت میں جنتوں کے درجات بھی بہت ہیں جو شخص دنیا میں جس درجہ پر ہوگا وہ وہاں بھی اسی درجہ پر رہے گا الا یہ کہ اللہ عزوجل اپنا فضل فرما کر کسی کا درجہ بڑھائے خواہ ماں باپ کی وجہ سے ہو یا کسی نیک شخص کی سفارش سے یا محض اللہ اپنے طور پر دیدے "اللّٰھم اجعلنا منھم"۔ تو جس طرح دنیا میں ایک شخص دوسرے کے دل کی کیفیت سے بے خبر رہتا ہے وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ یہ کس مقام پر ہے اور میں کس درجہ پر ہوں اسی طرح جنت میں باوجود تفاوت کے کسی کو دوسرے پر افسوس یا رشک نہیں ہوگا۔ تدبر

مرد اور عورت:۔

جس طرح بیرونِ خانہ مختلف جہات اور متعدد امور ہوتے ہیں ان کے لئے الگ الگ صلاحیتوں کے حامل لوگوں کی ضرورت تھی اور اللہ نے اس کا بہترین انتظام فرمایا کہ لوگوں کے مختلف النوع مزاج بنائے کسی کو اقتدار دیا کسی کو بھنگی بنایا اور کسی کو

دیگر کاموں پر لگا دیا الغرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے چلانے کے لئے افراد کمیاب یا ناپید ہوں گو یا مساوات انسانی وافرادی حکمت کے منافی ہے۔

اسی طرح امور خانہ داری اور تدبیر المنزل کے لئے بھی یہ لازمی تھا کہ اہل خانہ سارے ایک ہی درجہ کے حامل افراد نہ ہوں۔

دوسری طرف انسانی نسل کی بقا بھی عدم مساوات پر موقوف تھی اسی بناء پر حکمت باری اس کو مقتضی تھی کہ بیرون خانہ کی طرح اندرون خانہ بھی تفاوت ہو بلکہ یہ تفاوت باہر سے اور زیادہ ہو کیونکہ باہر تو صرف کاموں اور امور کی کثرت تھی نوعی اختلاف میں اتنا فرق نہیں ہے جو شخص اقتدار سنبھال سکتا ہے وہ جھاڑو بھی لگا سکتا ہے اگرچہ حکمتاً اللہ نے اس کا مزاج سیاست کی طرف مائل بنایا لیکن گھر کے ماحول میں تو معاملہ ہی مختلف ہے۔ یہاں بچے پیدا ہوتے ہیں ان کے لوازمات ہوتے ہیں یہ کام مردوں کی ذمہ داری بلکہ استطاعت سے یکسر مختلف ہے مرد بچہ نہیں جن سکتا دودھ نہیں پلا سکتا وغیرہ وغیرہ۔ اس مقصد کو سرانجام دینے کے لئے اللہ عزوجل نے عورت کو پیدا فرمایا اور اس کی حکمت کو دیکھئے کہ عورت میں صرف بچے دینے کی ہی صلاحیت نہیں دی بلکہ کئی جہات سے اس کا مزاج مرد سے مختلف رکھا دونوں کے درمیان بہت فرق رکھا بعض صفات میں تو واضح تمیز فرمادی جیسے جسمانی ساخت جبکہ بعض بہت سی صفات مشترک ہونے کے باوجود متفاوت ہیں۔ عورت میں زیادہ صبر محبت اور نرمی رکھی کہ اس کے کاموں میں ان صفات کی ضرورت تھی جبکہ مرد کو قوت شجاعت وغیرت اور عقل وغیرہ صفات میں برتری عنایت فرمائی غرض یہ کہ جس صنف کو جس چیز کی جتنی ضرورت تھی اسے اتنا ہی عطا فرمایا۔

مثال کے طور پر عورت کو نسبۃً کم عقل اس لئے دی کہ اسے بچہ جننے میں جان لیوا جیسی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس کا طبعی اور عقلی تقاضا تو یہ ہے کہ آئندہ وہ اس مشقت کے اسباب کے قریب بھی نہ جائے مگر عقل کی کمی کی بناء پر وہ اس منظر کو بہت جلد بھول جاتی ہے دوسری جانب اس کو شہوت دیدی تاکہ تھوڑا بہت جو احساس باقی ہے وہ مانع حمل نہ بن سکے نیز اس کے ذمے جو کام ہیں بچے کو دودھ پلانا کھانا پکانا صفائی کرنا وغیرہ اس کے لئے اعلیٰ دماغ کی ضرورت نہیں یہ ایسے امور نہیں جن کو کامل عقل کی ضروت ہو اس کو شفقت کی ضرورت ہے صبر کی حاجت ہے تاکہ وہ اپنے بچوں کا رونا ضد کرنا بخوشی برداشت کر سکے اسے محبت چاہیے تاکہ اگر بچے پیشاب کریں تو اس سے نفرت کر کے گھر سے نہ نکالے اسے بہت زیادہ طاقت کی ضرورت نہیں کہ مرد کا مقابلہ کر سکے کیونکہ اس کی ذمہ داریوں میں کوئی کام ایسا نہیں جو قوت طلب ہو۔

پھر اسے حیاء جیسے وصف سے نوازا تاکہ وہ گھر میں رہنا پسند کرے غیر مردوں کے سامنے جانے سے شرماتی رہے تاکہ طبعی میلان کی بناء پر فساد برپا نہ ہو انساب خلط ملط نہ ہوں اور گھر کا ماحول خراب نہ ہو۔

پھر مردوں اور عورتوں سب کے مزاج میں یہ بات ودیعت فرمائی کہ نکاح کو باعث شرم وعار نہیں سمجھتے اور زنا کو خلاف غیرت تصور کرتے ہیں۔

سب لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کسی لڑکی کا رشتہ آتا ہے تو اس کے اہل خاندان اس پر خوش ہوتے ہیں اس پیغام اور پیش کش کو اپنی قدر وعزت سمجھتے ہیں پھر جب رشتہ طے ہوتا ہے تو دونوں فریقین کی باہمی خوشی ومرضی سے پروقار انداز سے لڑکی رخصت ہو جاتی ہے اس کے سسرال والے اسے اپنے گھر کا اہم فرد سمجھنے لگتے ہیں

اہل قرابت اس کی قدر کرتے ہیں جس پر لڑکی خوش ہو کر فخر سے سر اونچا رکھتی ہے اور اس گھر کو اپنا گھر بناتی ہے۔ اس کے برعکس غیر ازدواجی طریقے سے یہ عمل نہایت توہین آمیز سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا اظہار موجب ملامت بلکہ موجب خطر تصور کیا جاتا ہے۔

پھر عورت میں غیرت اس پیمانے سے بھر دی کہ وہ نکاح سے نہیں شرماتی لیکن زنا سے ڈرتی اور نفرت کرتی ہے کہ اسے اپنے اور اپنے خاندان کے وقار کے خلاف سمجھتی ہے۔

بعض لوگوں میں مخالف جنس کے اثرات پائے جاتے ہیں:۔

اللہ عزوجل کی سنت عموماً اس پر جاری ہے کہ ماہیت کے افراد میں یکسانیت ہوتی ہے لیکن اپنے وجود اور قدرت کے اظہار کے لئے کبھی کبھار بعض افراد کو ماہیت کے مقتضا سے مستثنیٰ فرماتے ہیں ازاں جملہ ماہیت انسانی بھی ہے جس طرح کہ ہر انسانی بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر حضرت خضر نے جس بچے کو قتل کیا تھا وہ اس سے مستثنیٰ تھا' کیونکہ اس کے بڑے ہو کر بگڑ جانے کا علم اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا اور اس کا قتل خدا تعالیٰ کے حکم سے تھا' یا پھر ان کی فطرت قائم نہیں رہتی۔ اسی طرح بعض انسانی بچے پیدائشی طور پر ہیجڑے ہوتے ہیں ان میں مرد اور عورت دونوں کے اوصاف پائے جاتے ہیں یہ نہ کامل مرد ہوتے ہیں اور نہ ہی پوری عورت ہوتے ہیں چونکہ یہ حالت غیر اختیاری ہوتی ہے اس میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اس لئے وہ گنہگار اور قابل ملامت نہیں ہیں۔

لیکن بعض لوگ ایک صنف کے ہوتے ہوئے بھی خود کو دوسری صنف کے سانچے میں ڈھالتے ہیں یہ رذالت مرد اور عورتوں دونوں جنسوں کے بعض افراد میں پائی جاتی ہے ایسا کرنے والوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔

اس کا سبب عموماً یہ ہوتا ہے کہ کسی خاندان کے اشخاص میں یہ چیز مصنوعی طور پر عمل میں آتی ہے پھر ان کی اولاد میں بطور مزاج کے منتقل ہو جاتی ہے۔ شہری ماحول میں یہ چیز بکثرت دیکھنے میں آتی ہے کہ مردوں میں زنانہ پن ہوتا ہے اور عورتوں میں نرینہ پن' اس سے نہ مرد کا مزاج پوری طرح مردانہ رہتا ہے اور نہ عورت مکمل خاتون ہوتی ہے گویا یہ چیز جہاں سے چلتی ہے تو اس پشت میں عارضی اور مصنوعی ہوتی ہے مگر دوسری اور تیسری نسل میں موروثی بن جاتی ہے یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص کسی بے اعتدالی کی وجہ سے شوگر کا مریض ہو گیا تو آگے چل کر یہ بیماری اس کی اولاد میں جب آتی ہے تو ڈاکٹر بلکہ سب اسے وراثت میں ملنے والی بیماری کہتے ہیں پھر جس طرح اس مرض کے لوازمات بھی ساتھ ساتھ منتقل ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح ان مردوں میں زنانہ پن کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ منجملہ ان اثرات کے ڈاڑھی کاٹنا' سنگار اور زیب وزینت میں تکلف کرنا' اپنے خاندان کی عورتوں کو غیر معمولی آزادی دینا وغیرہ جیسی علامات داخل ہیں جبکہ عورتوں میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے بے پردگی جیسی باتیں مردانہ پن کی غمازی کرتی ہیں۔

مذکورہ قاعدے کی دلیل:۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کچھ عرصہ قبل ہمارے گاؤں میں ڈاڑھی منڈانے

والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی اور جو لوگ ایسا کیا کرتے تھے وہ اسے باعث شرم بھی سمجھتے تھے وہ بزرگوں کی محفلوں میں آنے سے کتراتے تھے مسجد میں ایسی جگہ کھڑے ہونے کی کوشش کرتے جہاں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوں ہاں مگر یہ کہ کوئی بہت ہی زیادہ بے شرم ہو۔

یہ خصلت عموماً پست خاندانوں کے لوگوں میں زیادہ تھی۔ شرفاء اس حرکت کے قریب بھی نہیں جاتے تھے مگر آج صورتحال یہ ہے کہ ان ڈاڑھی منڈوں کی نئی نسل میں اس عمل کی شرح تقریباً سو فیصد ہے جبکہ ان کی صحبت سے متاثر ہو کر شریف خاندانوں کے لوگوں میں بھی یہ مرض منتقل ہو گیا ہے اب بتائیے یہ موروثی نہیں تو کیا ہے؟ بلکہ میرے اندازے کے مطابق جو تیسری نسل ہے وہ بلوغت سے پہلے پہلے ڈاڑھی کاٹنے کی کوشش کرتی ہے گویا طبیعت میں تیزی سے تبدیلی آ رہی ہے۔

لڑکیوں کی شرح پیدائش میں اضافے کا سبب :۔

جب یہ عارضی اثرات اتنے بڑھیں گے کہ اصل فطرت مغلوب ہو جائے تو اسکا انجام یہ نکلے گا کہ لڑکیوں کی پیدائش میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگے گا جو زنانہ پن کی شرح تناسب سے بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ تقریباً 98 فیصد تک پہنچ جائے گا جیسے کہ بعض احادیث میں اس کا بیان آیا ہے۔

اس کا فلسفہ یہ ہے کہ جب مردوں میں زنانہ پن آئے گا تو ان کی مردانہ حیثیت کم ہو کر نیم مردانہ قوت رہ جائے گی تو جس مرد اور عورت کے ملاپ سے بچے جنم لیں گے گویا وہ ایک عورت اور آدھے مرد کے عمل تناسل کا نتیجہ ہونگے۔

موجودہ معاشروں میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے آپ شہری شرح پیدائش اور دیہی شرح پیدائش میں موازنہ کریں تو صاف فرق نظر آئے گا کہ مجموعی اعتبار سے شہر میں لڑکیاں زیادہ ہیں کیونکہ شہروں میں زنانہ پن بہت ہے۔ تاہم یہ سبب اکثری ہے ورنہ اس کے اسباب کبھی دیگر عوارض بھی ہوتے ہیں مثلاً زیادہ آرام طلبی، نزاکت اعضاء وغیرہ جبکہ کبھی اس کے اسباب عورتوں کی جانب میں ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

عریانی اور فحاشی شرح پیدائش میں اضافے کا سبب:۔

ابن خلدون وغیرہ ماہرین کی تصریح کے مطابق جن مردوں میں غیرت زیادہ ہوتی ہے ان کی عورتوں میں عفت رہتی ہے اس کے برعکس ان خاندانوں کی عورتوں میں زنا کا تناسب زیادہ ہوتا ہے جن کے مرد اس وصف سے عاری ہوں۔

اس کا فلسفہ بھی یہی زنانہ پن ہے اللہ نے فطرتاً مرد کے اندر غیرت کا مادہ زیادہ رکھا ہے مگر جب مردوں میں زنانہ پن کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں تو ان کے لڑکوں میں لواطت فروغ پاتی ہے چونکہ یہ بھی نسوانی وصف ہے اس لئے اس خاندان کی عورتیں اور مرد گویا مشابہ ہو جاتے ہیں اور درمیان کی خلیج بہت کم ہو جاتی ہے اس طرح عورتوں کو آزادی مل جاتی ہے تو جن عورتوں پر حیوانی یا شیطانی خساست کا غلبہ ہوتا ہے وہ اس آزاد میدان سے فائدہ اٹھا کر عریانی، فحاشی اور بے ہودگی میں بڑھ چڑھ کے حصہ دار بن جاتی ہیں۔

آج کل اس بات کا مشاہدہ مشکل نہیں کہ جن عورتوں کو آزادی ملی ہوئی ہے انہوں نے شہوت رانی کا بازار گرم کر رکھا ہے بے پردگی اور جنسی بے راہ روی کا خوب

جڑ چا کررہی ہیں معاشقے کی دوچار مثالیں ہر آدمی روزانہ دیکھ سکتا ہے۔

فطری دین پر تنقید اور اس سے پہلو تہی کا سبب:۔

دین اسلام ایک فطری مذہب ہے اس میں کوئی بات خلاف فطرت نہیں پائی جاتی لیکن جس طرح ایک صفراوی مریض شہد کو کڑوا اور بدمزہ کہتا ہے اسی طرح جب لوگوں کی فطرت بگڑنے لگتی ہے تو اسی تناسب سے وہ اسلام پر اعتراضات کرنے لگتے ہیں۔

آج بعض اطراف سے اسلام پر اعتراضات کی بوچھاڑ کا سبب بھی یہی ہے کہ بعض بدفطرت لوگ اسے خلاف فطرت اور خلاف عقل سمجھنے لگے ہیں حالانکہ یہ نامعقولیت اسلام میں نہیں اور نہ وہ خلاف فطرت ہے بلکہ خود ان لوگوں کی فطرت مسخ ہو چکی ہے' اگر کوئی شخص سیاہ عینک لگا کر سورج کو کالا کہنے لگے تو اس میں سورج کا کیا قصور؟

جب مریض لاعلاج قرار پائے تو موت کی گھنٹی بجنے لگتی ہے:۔

دنیا فانی ہے اور دار فانی ہے اس میں کسی چیز کو بقا نصیب نہیں ہوتی اس میں ہر چیز کی حیات موت اور ہلاکت پر ختم ہو جاتی ہے ہر چیز کی زندگی مستعار ہے اللہ جب چاہے اس کو ہلاک کر دے لیکن اللہ تعالیٰ اس دنیاوی زندگی اور اس کے نظام کو ایک مقررہ وقت تک چلانا چاہتا ہے' لہٰذا اللہ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ اس نے اس عالم کے لئے جو نظام مقرر فرمایا ہے اس میں ایک چیز دوسری چیز سے جڑی ہوئی ہے اس لئے اس کو عالم اسباب کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا قانون یہ ہے کہ وہ اسباب پر ثمرات

مرتب فرماتا ہے پانی ملنے پر زمین قابل کاشت ہوجاتی ہے آدمی اور دیگر جانداروں کی پیاس پانی سے بجھتی ہے اور عموماً علاج سے شفاء ملتی ہے گو کہ اسباب میں بھی تفاوت ہے کہ بعض کا فائدہ ظاہری ہوتا ہے جیسے کھانا بھوک مٹاتا ہے بعض کا فائدہ ذرا خفی ہوتا ہے جیسے دوا سے مرض دور ہوتا ہے اور بعض انتہائی پوشیدہ ہوتے ہیں جیسے جادو وغیرہ ہوئے۔

لیکن ہر چیز پر ایک نہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسباب اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں مثلاً آدمی کبھی جوع البقر کی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے تو کھانے سے اسکی بھوک ختم نہیں ہوتی کبھی استسقاء کے مرض میں گرفتار ہوجاتا ہے تو پیاس نہیں بجھتی، علیٰ ہذا القیاس بسا اوقات کسی ایسی بیماری کا شکار ہوجاتا ہے کہ جملہ طریقے علاج کے غیر مؤثر ثابت ہوتے ہیں معالجین باوجود کوشش کے ناکام ہوجاتے ہیں نتیجۃً بالآخر وہ کہتے ہیں کہ اسے گھر لے جاؤ اس کے ٹھیک ہونے کے امکانات معدوم ہوتے جارہے ہیں پھر یہ لمحات اس کی زندگی کے آخری لمحات تصور کئے جاتے ہیں اس کی موت کے آثار دکھائی دینے لگتے ہیں فراق کی گھڑی آن پہنچتی ہے اور تکفین وتجہیز کی تیاری تیز ہوجاتی ہے پھر وہ لمحہ بھی آتا ہے جس میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور وہ دار آخرت کا راہی بن جاتا ہے اس عالم سے رابطہ منقطع ہوجاتا ہے آگے کیا ہوتا ہے یہ اس کے اعتقاد اور اعمال پر منحصر ہے۔

ٹھیک اسی طرح دنیا کی بھی یہی حالت ہے یہ بھی صحت ومرض کی حالت میں رہتی ہے کبھی تندرست اور کبھی مضمحل، کبھی صحت مند تو کبھی بیمار اسے بھی آپریشن اور علاج کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اس پر بھی ایک ایسا وقت آنے والا ہے جس

میں کوئی علاج کارگر ثابت نہیں ہوگا اس طرح یہ بلکہ یہ پورا نظام زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہیں کون ومکان تمام کائنات راہی عدم ہو جائے گی فرق صرف اتنا ہے کہ انسان وغیرہ کو بیماری اس کی ذات میں لاحق ہوجاتی ہے۔ اس کا اپنا مزاج بگڑ جاتا ہے طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو ہلاک ہو جاتا ہے جبکہ ان موجودات کی موت وحیات عالم انسانی کے مرض وصحت پر موقوف ہے جب تک عالم انسانی زندہ ہے تو یہ اشیاء باغ و بہار کا منظر پیش کرتی رہیں گی مگر جب عالم انسانی میں خرابی آنے لگے گی تو یہ مرجھا کر رہ جائیں گے نیست ونابود ہو جائیں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق اور قیام انسان کے لئے ہے "شرافت المکان بالمکین" جب انسان حد انسانیت سے نکل جائے گا اس کی فطرت مسخ ہو جائے گی تو اس کی شفا سے ہر طرح کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت تو پھر نہ انسان رہے گا اور نہ کائنات۔

یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں گناہ انتہاء کو پہنچے ہوئے ہونگے نہ کوئی وعظ ونصیحت کارگر ثابت ہوگی اور نہ کسی کو فکر آخرت ہوگی بس ایک مستانہ زندگی ہوگی زنا اور بیہودگی ہوگی اور درندگی ہی درندگی ہوگی اس وقت عالم سرتاپا کینسر زدہ آفت زدہ اور پُرفتن بن چکا ہوگا کیونکہ اس انسانیت کی حیات مادی اسباب میں نہیں بلکہ اللہ کی یاد میں ہے جب تک ایک بھی شخص "اللہ اللہ" کہنے والا ہوگا تو اس عالم کی جان میں جان ہوگی زندگی کی رمق وآثار ہونگے مگر جب ایک بھی نہیں رہے گا تو یوں سمجھنا چاہیے کہ کل انسانیت ختم ہوگئی اب صرف انسان نما جانور رہ گئے ہوں گے جو اس قابل نہیں ہونگے کہ ان کے لئے یہ عالم ایک گھنٹہ بھی قائم رہے اس لئے اس پر موت کے آثار نمودار

ہونے لگیں گے۔

علاماتِ قیامت:۔

اس زمین پر جب بھی کوئی بڑا حادثہ پیش آتا ہے تو اس سے کافی پہلے ایسی علامات نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہیں جن سے آنے والے حادثے کا پتہ چلایا جا سکتا ہے جب زلزلہ آتا ہے تو اس سے قبل کتے بھونکنا شروع کر دیتے ہیں' موسم کا احوال بتانے والا محکمہ پہلے سے بتا دیتا ہے کہ اتنے گھنٹوں کے بعد طوفان آنے والا ہے پھر اس سے پہلے تیز ہوائیں چلتی ہیں بارش برستی ہے اور خوف طاری ہوتا ہے۔

چونکہ قیامت اس عالم کا سب سے بڑا حادثہ ہے اس میں جو خرابی ہو گی اس کی کوئی مثال و نظیر نہیں ملتی اس لئے اس کی آمد سے بہت پہلے علامات آنا لازمی بات ہے ان میں بعض آ چکی ہیں جب کہ ابھی بہت سی باقی ہیں خصوصاً جو بڑی نشانیاں ہیں وہ آنا باقی ہیں وہ اس وقت نمودار ہوں گی جب زمین پر فساد بہت تیزی سے پھیلے گا۔

ان علامات کی کچھ تفصیل اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہے تاکہ اہل بصیرت کو عبرت اور اہل ادراک کو آگاہی ہو۔ ان میں چھوٹی بڑی اکثر مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جہالت بڑھے گی جیسے آج کل ہے گو کہ رسمی اور عصری علوم بہت ہوں گے مگر علوم شرع ناپید ہو جائیں گے۔

۲۔ فاسق قاریوں کی کثرت ہو گی۔

۳۔ مسجدوں کی تعمیر پر فخر و مباہات ہو گی۔

۴۔فحاشی بڑھے گی۔

۵۔صلہ رحمی ختم ہو جائے گی۔

۶۔امانت میں خیانت کی جائے گی۔

۷۔خائن کو امین سمجھا جائے گا۔

۸۔انتفاخ اہلّہ یعنی پہلی رات کا چاند ایسا معلوم ہوگا جیسا کہ دوسری یا تیسری شب کا ہے۔

۹۔کثرت باراں اور قلت نباتات۔

۱۰۔کثرت قراء یعنی عبادت گذار اور قاری بہت ہوں گے مگر جاہل ہوں گے اور فقہاء قلیل اور تھوڑے ہوں گے۔

۱۱۔کثرت امراء وقلت امناء۔(یعنی مالدار بہت مگر امانتدار کم ہونگے)

۱۲۔بے کار اور غلط لوگوں کا باقی رہنا یعنی اشراف کی قلت اور ارذال اور کمینوں کی کثرت ہوگی۔

۱۳۔زہد کا روایت ہو جانا یعنی زہد وتقوی کی زبانی حکایتیں اور زبانی جمع خرچ رہ جائیں گی۔

۱۴۔ورع کا تصنع ہو جانا یعنی مصنوعی تقویٰ۔

۱۵۔اولاد کا والدین کے لئے سبب غیظ وغضب ہونا یعنی نافرمان ہونا۔

۱۶۔بارشوں کا انقطاع یعنی کبھی اتنی کثرت سے بارش ہوگی کہ تباہی مچادے گی اس میں کوئی برکت نہیں ہوگی جیسے علامت نمبر ۹ میں ذکر ہوا اور کبھی بالکل منقطع ہو جائے گی۔

۱۷۔ جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگے گا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا۔

۱۸۔ اقرباء اور رشتہ داروں سے دوری اختیار کی جائے گی اور اجنبیوں اور غیروں سے جوڑ و دوستی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۱۹۔ قبیلے کا سردار وہ شخص بنے گا جو منافق ہوگا۔

۲۰۔ بازاروں کی سرداری و نگرانی فاسق و فاجر لوگ کریں گے۔

۲۱۔ مؤمن اپنے قبیلے و قوم میں ذلیل ہو جائے گا۔

۲۲۔ مسجدوں کی محرابیں خوب مزین کی جائیں گی مگر لوگوں کے دل خراب ہونگے۔

۲۳۔ لواطت پھیلے گی۔

۲۴۔ عورتیں عورتوں سے جنسی استفادہ کریں گی۔

۲۵۔ آبادی ویرانہ میں اور ویرانہ آبادی میں تبدیل ہو جائے گا۔

۲۶۔ کثرت موسیقی۔

۲۷۔ شراب نوشی کی کثرت۔

۲۸۔ پولیس کی کثرت۔

۲۹۔ غیبت اور عیب جوئی کی کثرت۔

۳۰۔ چغلی کی کثرت۔

۳۱۔ روبرو عیب جوئی۔

۳۲۔ اولاد الزنا کی کثرت۔

۳۳۔ تجارت کا فروغ پانا۔

۳۴۔ فشو کتابت یعنی لکھائی وصحافت کی کثرت۔

۳۵۔ جھوٹی گواہی دینا۔

۳۶۔ شہادتِ حق کا کتمان۔

۳۷۔ نبیذ کے نام پر شراب کو حلال کرنا۔

۳۸۔ بیع وتجارت کے نام پر سود کو حلال کرنا۔

۳۹۔ تحفہ اور ہدیہ کے نام پر رشوت لینا اور دینا۔

۴۰۔ مال زکوٰۃ میں تجارت کرنا۔

۴۱۔ مال غنیمت کو اپنی ذاتی دولت سمجھنا۔

۴۲۔ امانت کو مال غنیمت سمجھنا۔

۴۳۔ زکوٰۃ کو تاوان سمجھنا۔

۴۴۔ علم دین کو دنیا کے لئے حاصل کرنا۔

۴۵۔ مردوں کا عورتوں کی اطاعت کرنا۔

۴۶۔ ماؤں کی نافرمانی کرنا۔

۴۷۔ دوست کو نزدیک کرنا اور پدر شفیق کو دور کرنا۔

۴۸۔ یاروں کی عزت کرنا اور ماں باپ کی توہین کرنا۔

۴۹۔ مسجدوں میں بلند آواز سے پکارنا اور چیخنا اور شور وغوغا کرنا۔

۵۰۔ مسجدوں میں دنیوی باتیں کرنا۔

۵۱۔ عورتوں کا زیب وزینت کے ساتھ گھر سے باہر پھرنا۔

۵۲۔ امت کے آخر میں آنے والے لوگوں کا امت کے شروع کے لوگوں

(یعنی اسلاف) پر لعنت کرنا۔

۵۳۔ طیلسان یعنی مشائخ کی شال اور جبہ پہننے کی کثرت سے علمی لباس کا رواج۔

۵۴۔ تاجروں اور مال کی کثرت۔

۵۵۔ محض مال و دولت کی وجہ سے لوگوں کی تعظیم ہونا۔

۵۶۔ لڑکوں کی سرداری۔

۵۷۔ عورتوں کی کثرت۔

۵۸۔ بادشاہوں کا ظلم کرنا۔

۵۹۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔

۶۰۔ شیطان کا بصورت انسان آنا اور لوگوں سے باتیں کرنا جب لوگ متفرق ہوں گے تو کہیں گے کہ ہم نے ایسے شخص سے سنا ہے جس کو شکل سے پہچانتے ہیں لیکن نام سے نہیں جانتے۔

۶۱۔ جن شیاطین کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بند کیا تھا ان کا نکلنا اور لوگوں کو قرآن سنانا۔

۶۲۔ تقارب زمان یعنی وقت کا تیزی سے گذرنا۔

۶۳۔ کتے کے بچے کی پرورش اپنے بچے سے زیادہ محبوب و بہتر ہونا۔

۶۴۔ بڑوں اور بزرگوں کی عزت نہ کرنا۔

۶۵۔ چھوٹوں پر رحم و شفقت نہ کرنا۔

۶۶۔ شاہراہوں میں لوگوں کا زنا کرنا۔

۶۷۔ چمڑوں کا پہننا۔

۶۸۔ دلوں کا بھیڑیے کے مانند ہونا۔

۶۹۔ دین میں سستی اور کاہلی کرنے والوں کو افضل سمجھا جانا۔

۷۰۔ کمینوں کا حکمرانی کرنا اور مقتدر لوگوں میں فواحش کا ہونا۔

۷۱۔ ارذال میں علم کا ہونا۔

۷۲۔ اشراف میں مداہنت کا ہونا۔

۷۳۔ خیار امت جیسے علماء کا دنیا سے اٹھ جانا۔

۷۴۔ آبادی و تعمیرات میں مسابقت کرنا۔

۷۵۔ ننگے پاؤں اور برہنہ تن چرواہوں کا عمارات اور مکان میں تفاخر کرنا اور بلند و بالا مکانوں کا مالک ہو جانا۔

۷۶۔ حکومتی امور کا نااہل اور بے شعور لوگوں کے سپرد ہونا۔

۷۷۔ امامت کے لئے اہل مسجد کا باہم جھگڑنا یہاں تک کہ نماز پڑھانے کے لئے کسی کو نہ پائیں گے۔

۷۸۔ اہل اسلام کا قبرستانوں کی طرف جانا اور آرزو کرنا کہ کاش میں قبر کے اندر ہوتا۔

۷۹۔ دین کو مصیبت سمجھنا۔

۸۰۔ امت کا اپنے امام سے قتال کرنا۔

۸۱۔ برے اور خراب لوگوں کا وارثِ دنیا ہونا۔

۸۲۔ بھائی کا بھائی کو قتل کرنا۔

۸۳۔ منبروں پر واعظوں اور خطیبوں کی کثرت ہو جانا۔

۸۴۔ علماء کا حکمرانوں کی طرف جھکنا اور میلان کرنا۔

۸۵۔ علماء کا اصحاب اقتدار کے لئے حرام کو حلال کرنا اور حلال کو حرام کرنا یعنی ان کی خواہش کے مطابق فتوے دینا۔

۸۶۔ قرآن کو تجارت کا ذریعہ بنالینا۔

۸۷۔ قرآن کو اجرت پر پڑھنا۔

۸۸۔ سقاروں کی کثرت یعنی وہ لوگ جو ملاقات کے وقت سلام کے بجائے آپس میں لعنت اور گالم گلوچ کرتے ہیں۔

۸۹۔ کمینی عورتوں سے مال کی خاطر نکاح کرنا اور اپنی چچازاد کو چھوڑنا۔

۹۰۔ صلہ رحمی قطع کرنا۔

۹۱۔ ناجائز ذریعہ وطریقہ سے مال لینا۔

۹۲۔ ناجائز قتل کی کثرت۔

۹۳۔ اہل قرابات میں شکایات کا رواج ہو جانا۔

۹۴۔ سائل کی گردش اور کچھ ہاتھ نہ آنا۔

۹۵۔ کتاب اللہ کو باعثِ عار سمجھنا۔

۹۶۔ اسلام کا اجنبی ہو جانا۔

۹۷۔ دشمنیاں اور عداوتیں ظاہر ہونا۔

۹۸۔ عمریں کم ہونا۔

۹۹۔ اولاد وثمرات کی قلت۔

۱۰۰۔ مکانات اور آبادی کی کثرت۔

۱۰۱۔ صاحب اولاد کا غمگین ہونا یعنی اولاد کی نافرمانی کی وجہ سے اور بے اولاد کا خوش ہونا۔

۱۰۲۔ بغاوت وسرکشی کی کثرت۔

۱۰۳۔ کثرت حمیت۔

۱۰۴۔ کثرت بخل۔

۱۰۵۔ کثرت ہلاکت۔

۱۰۶۔ سچائی کی قلت اور جھوٹ کی کثرت۔

۱۰۷۔ خواہشات کا اتباع وپیروی۔

۱۰۸۔ فحاشی کا سرعام ہونا حتی کہ عورتوں سے دن میں سرعام زنا کیا جانے لگے گا ان میں افضل وہ شخص ہوگا جو کہے گا کہ کاش راستے سے ذرا الگ ہوجاتے۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے کہ یہ شخص ان میں ایسا ہوگا جیسے تم میں ابوبکرؓ وعمرؓ۔

۱۰۹۔ دیلمیؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تین چیزیں کمیاب نہ ہوجائیں۔ ۱۔ حلال روپیہ ۲۔ علم نافع ۳۔ اور اللہ کے واسطے دوستی۔

۱۱۰۔ علم نجوم کی تصدیق کرنا یعنی جوتشی کی۔

۱۱۱۔ تقدیر کو جھٹلانا۔

۱۱۲۔ آدمی مسجد سے گذرے گا اور وہاں دو رکعت نماز نہیں پڑھے گا۔

۱۱۳۔ بیوی یا لونڈی سے دبر میں وطی کرنا یعنی غیر فطری عمل کرنا۔

۱۱۴۔ لونڈیوں سے مشورہ کرنا۔

۱۱۵۔ عورتوں کی حکومت اور نادانوں کی امارت۔

۱۱۶۔ مسجدوں کو گذرگاہ بنانا اور ان میں خالص اللہ کے لئے سجدہ نہ ہونا۔

۱۱۷۔ لڑکوں کا بڈھوں کو بطور قاصد دونوں افق کے درمیان بھیجنا۔

۱۱۸۔ سوداگر اور تاجروں کا دونوں افق کے درمیان پھرنا (جیسے آج کل لوگ امریکہ تا جاپان جاتے ہیں) اور فائدے کا نہ پانا۔

۱۱۹۔ عراق کے نیک لوگوں کا شام میں اور شام کے بدکار لوگوں کا عراق میں قیام پذیر ہونا۔

۱۲۰۔ دین دار شخص کے لئے دین کی سلامتی مشکل ہو جانا ہاں مگر یہ کہ آدمی ایک پہاڑ کی چوٹی سے دوسری پر بھاگے اور سراخ بسراخ پوشیدہ رہے جیسے کہ جنگلی بکری اپنے بچوں کو لے کر بھاگتی ہے۔

۱۲۱۔ مؤمن کا چھپتے پھرنا جیسے کہ سابقہ زمانے میں منافقین پھرتے تھے۔
(رواہ ابن السنی)

۱۲۲۔ لوگوں کا نصب العین شکم پروری اور متاع دنیا کی خواہش، قبلہ ان کا عورتیں ہونا اور دین ان کا درہم و دینار ہونا۔ (رواہ السلمی عن علی)

۱۲۳۔ علماء کتوں کی طرح قتل کئے جائیں گے۔

۱۲۴۔ علماء کو موت سونے سے زیادہ عزیز ہوگی۔ (یعنی بوجہ شدت منکرات: ک)

۱۲۵۔ پچاس آدمیوں کا نماز پڑھنا مگر ایک کی بھی قابل قبول نہ ہونا۔

۱۲۶۔ تلوار سے جہاد کا معطل ہونا۔

۱۲۷۔ عورتوں کا باوجود لباس کے عریاں ہونا اور سران کے بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہونا۔

۱۲۸۔ طلاق کی کثرت ہو جانا۔

۱۲۹۔ سزا اور حدود کا معطل ہونا۔

۱۳۰۔ لونڈی کا اپنے مالک کو جننا۔

۱۳۱۔ مرد و عورتوں کا کاروبار میں شریک ہونا۔

۱۳۲۔ مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورتوں کا مردوں کی۔

۱۳۳۔ غیر اللہ کی قسمیں کھانا۔

۱۳۴۔ بدون طلب کے گواہی دینا۔

۱۳۵۔ غیر اللہ کے لئے نفقہ (صدقہ) کرنا۔

۱۳۶۔ عمل آخرت سے دنیا طلب کرنا۔

۱۳۷۔ قرآن کو موسیقی سمجھنا۔

۱۳۸۔ علم کو ظاہر کرنا اور عمل کو ضائع کرنا۔

۱۳۹۔ زبان سے دوستی اور دل میں دشمنی رکھنا۔

۱۴۰۔ کبائر کو حلال سمجھنا۔

۱۴۱۔ موسیقی وغیرہ کو جائز کرنا۔

۱۴۲۔ جوا کھیلنا وغیرہ وغیرہ جن کی تعداد زیادہ ہے۔

(بشکریہ مولانا بدیع الزمان صاحب مترجم ترمذی ص:۸۴۲ ج:۱ تا ص:۸۴۶ ج:۱)

ان کے علاوہ جو بڑی نشانیاں ہیں وہ قیامت کے بالکل قریب رونما ہوں گی جیسے کہ ترمذی میں حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھو گے۔ (۱) آفتاب کا مغرب سے نکلنا۔ (۲) یاجوج وماجوج کا نکلنا۔ (۳) دابۃ الارض کا نکلنا۔ اور تین جگہ زمین کا دھنسنا (۴) ایک مشرق میں (۵) دوسرا مغرب میں (۶) تیسرا جزیرۃ العرب میں۔ (یہ چھ نشانیاں ہوگئیں) (۷) ایک آگ کا عدن (یمن) کی جڑ سے نکلنا جو کہ لوگوں کو ہانکے گی یا فرمایا کہ لوگوں کو جمع کرے گی یعنی ملک شام میں رات کو ان کے ساتھ ٹھہرے گی جب وہ ٹھہریں گے اور دوپہر کو ان کے ساتھ رکے گی جب وہ قیلولہ کریں گے۔

ایک روایت میں آٹھویں چیز دھواں ہے بعض روایات میں نویں نشانی دجال کا ظاہر ہونا ہے دسویں چیز یا ہوا ہے جو ان کو اڑا کر دریا/سمندر میں پھینک دے گی یا عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا ہے۔ (جامع الترمذی ص:۴۱ ج:۲ باب ماجاء فی الخسف)

یہ وہ امراض ہیں کہ دنیا و مافیہا ان میں مبتلا ہونے کے بعد جانبر نہیں ہوگی ان کی سلامتی ممکن نہیں رہے گی ان کا وجود پورا کا پورا سڑ جائے گا جزوی آپریشن یا پیوند کاری مفید نہیں ہوگی کیونکہ یہ آفات ہمہ گیر ہوں گی ساری دنیا اس کی لپیٹ میں آجائے گی۔

اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ بالا مندرجات حقیقتاً مہلک بیماریاں ہیں تو یہ بیماریاں فی الجملہ ماضی میں بھی رہی ہیں پھر کیوں دنیا تباہ نہیں ہوئی؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ٹھیک ہے یہ امراض پہلے بھی آتے رہے ہیں مگر وہ

عالمگیر نہیں ہوتے تھے اگر ایک منطقہ فسق وفجور سے بھر جاتا تو اس کا اثر دوسرے خطے پر نہیں ہوتا تھا کیونکہ آج کی طرح برقی مواصلات اور تیز رفتار ذرائع نقل وحمل موجود نہیں تھے اگر بالفرض پھر بھی جرائم پھیلتے تھے تو کچھ نہ کچھ لوگ محفوظ رہتے تھے ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی بھی نہ بچا ہو اور سب کے سب مریض ہوئے ہوں لہٰذا جو علاقہ آفت زدہ ہو جاتا اور جو قوم لاعلاج ثابت ہوتی آپریشن کر کے اس علاقے کی تطہیر اور صفائی کی جاتی گویا مرض جزوی ہوتا تو جزوی صفائی کافی ہوتی جیسے ہاتھ میں کینسر ہو تو صرف اسی کو کاٹا جاتا ہے۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں جتنا حصہ صحت مند تھا اس کو کشتی میں محفوظ کر کے باقی کو غرق کر دیا زمین دھل گئی جو انسانی نسل باقی رہ گئی وہ مکمل پاک اور مرض سے خالی تھی ان کا کوئی قصور نہیں تھا اس لئے ان کو سزا نہیں دی پھر جب عادؑ ثمود اور قوم لوط (علیہ السلام) کو بیماری لاحق ہوئی تو پھر صفائی کی گئی نمرودؑ فرعون اور ابوجہل وغیرہ کو خوب سبق سکھایا گیا۔

رہا موجودہ دور اور حالیہ صورتحال تو یہ ماضی سے یکسر مختلف ہے یہ ایسا ہی ہے جس طرح کہ ایک ملک کا مرض پوری دنیا میں چند دنوں میں پھیل جاتا ہے ساری دنیا پریشان ہو جاتی ہے جس کی تازہ ترین مثال نمونیا طرز کی بیماری (S.R.S.) ''سارس'' ہے جس کا آغاز چین سے ہوا لیکن دنیا بھر کی کمپنیوں نے اس سے بچنے کے اقدامات کئے وہاں آنا جانا بند کر دیا ہر ملک کی وزارت صحت سرگرم ہو گئی اور جہاں یہ بیماری پہنچی تو اس میں سال یا مہینے نہیں لگے بلکہ چند دنوں میں اڑ کر رسائی حاصل کر گئی علیٰ ہذا جب دنیا کے کسی خطے میں کوئی نئی مشین وغیرہ بنتی ہے تو چند ہفتوں کے اندر اندر دنیا بھر کی مارکیٹوں میں بآسانی دستیاب ہوتی ہے یہ ٹیلی ویژن کیبل اور انٹرنیٹ وغیرہ

اس کی زندہ متحرک مثالیں ہیں خصوصاً جب کوئی چیز گناہ سے متعلق ہو تو وہ بہت جلد مشتہر اور مقبول عام ہو جاتی ہے۔ پھر تجربے کی روشنی میں یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس منکر پر ابتداء میں کچھ تنقید ہوتی رہتی ہے لیکن نہ تو اس کا کچھ اثر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ تنقید زیادہ دیر پا ثابت ہوتی ہے بلکہ پلٹ کر ناقد کو نشانہ بناتی ہے۔ بتایئے کیا آج کسی مسجد کے منبر سے پینٹ شرٹ پر بات سنائی دیتی ہے؟ کبھی ٹی وی پر اعتراض سنا جاتا ہے؟ ڈاڑھی منڈوں سے قطع تعلق ہوتا ہے؟ سودخوروں' جواریوں اور شرابیوں سے ترک موالات ہوتا ہے؟ جن عورتوں کو اسلاف نے اس لئے مسجدوں میں آنے سے' جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے روکا تھا تاکہ معاشرہ بگڑنے نہ پائے کیا آج ان کی بیٹیاں سرعام کھلے بازاروں میں عریاں یا نیم عریاں لباس میں نہیں گھوم رہی ہیں؟ کیا ان کے سر بختی اونٹوں کی طرح نہیں ہیں؟ کیا دنیا کے سارے بازار عورتوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے نہیں ہیں؟ کیا دنیا کے سارے گھر ٹی وی کی لعنت میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں؟ الا ماشاء اللہ وقلیل ما ہم۔ کیا دنیا بھر میں کمینے اور نکمے لوگ جیسے فلمی اور ٹی وی کے اداکار کھلاڑی اور گلوکار وغیرہ قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھے جاتے؟ جو سیاسی لیڈر جتنا زیادہ فراڈی اور جھوٹا ہو کیا اسے ماہر سیاست داں کا خطاب نہیں دیا جاتا؟ کیا علماء وطلباء معاشرہ میں قابل نفرت نہیں بنے؟ کیا حکمران انہیں ملکی معیشت پر بوجھ تصور نہیں کرتے؟ کیا ان کے کام کو فضول اور لایعنی نہیں سمجھا جاتا؟ یہ سب امراض ساری دنیا میں بیک وقت موجود ہیں ان کے علاوہ بھی ایسے ہیں کہ ان کی صرف فہرست سے مجلد کتاب بھر سکتی ہے اسلئے کہا جائے گا کہ امراض میں عالمگیریت آ چکی ہے لہٰذا اس سے پیدا ہونے والی خرابی اور تباہی بھی ہمہ جہت اور عالمگیر ہوگی۔

تیسرا باب

قیامت کے احوال اور انسان کا انجام

عقیدۂ قیامت:۔

اکثر انسانوں میں یہ خصلت ہوتی ہے کہ جو بات سمجھ میں نہیں آتی یا جس کا مشاہدہ نہیں کرتے وہ چیز غیر محسوس ہوتو اس کا انکار کر دیتے ہیں یہ بھی حماقت کا ایک پہلو ہے۔ اس کی موٹی دلیل انکے پاس یہ ہوتی ہے کہ یہ چیز احساس اور ادراک سے بالاتر ہے لہٰذا اسے کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ دہریے اور مادہ پرستوں نے اللہ کے وجود کا انکار کیا کیونکہ انہیں خدا نظر نہیں آتا ہے منکرین قیامت نے دوبارہ حیات اور قیام قیامت کا انکار بھی اسی موہومہ فلسفہ کے تحت کیا۔ کفار کا کہنا یہ ہے کہ جب انسان مٹی کا ڈھیر بن جائے اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر راکھ کی مانند ہو جائیں پھر وہ اپنی حالت پر کیسے دوبارہ زندہ ہوگا؟ گویا اس کی پہچان تک ممکن نہیں رہے گی حیات تو بعد کی بات ہے چنانچہ عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لے کر حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو چٹکی سے مسل کر کہنے لگا کیا یہ ایسی حالت کے بعد زندہ ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں اور تو دوزخ میں جائے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ

''کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔'' (سورۃ یٰسین آیت نمبر ۷۷)

اس آیت میں اس کی حماقت کا بیان ہے کہ اگر وہ ہوشیار ہوتا تو اسے یہ مسئلہ ناقابل فہم نہیں سمجھنا چاہیئے تھا کہ وہ خدا جو پانی سے گوشت اور ہڈی بنا کر اس میں روح ڈال سکتا ہے تو اس کے لئے مٹی سے انسان کو دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے؟

اس میں حماقت کی جہت اس طرح ہے کہ کسی بات کا ادراک اگر وہ خود نہیں کرسکتا تو اسے بجائے انکار کے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ کیا اس کے پاس ادراک اور معرفت کے تمام ذرائع موجود ہیں؟ کیا اس کی عقل واقعی اتنی بڑی ہے کہ اس کے احاطے سے کوئی چیز باہر نہیں؟ کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کا آدمی پہلے انکار کرتا ہے مگر وہ چیزیں جب رونما ہوتی ہیں پھر وہ چار و ناچار مان لیتا ہے۔

آج یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے کہ ہر انسان کے اجزاء کی پہچان مٹی بن جانے کے بعد بھی نہایت آسان ہے ''D.N.A'' ٹیسٹ آج کے دور میں کوئی مفروضہ نہیں بلکہ تحقیق شدہ مسلمہ قانون ہے۔ جس کے ذریعے مردے کے ہر ہر جز کا پتہ چلایا جا سکتا ہے اور یہ کہ ہر شخص کا دوسرے سے مکمل امتیاز بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص پھر بھی اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہا تو نہ کرے جب حجاب اٹھے گا وہ خود بخود تسلیم کر لے گا مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل نے فرمایا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ
﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ
وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾

''اور (پھر دوبارہ) صور پھونکا جائے گا سو وہ سب یکا یک قبروں سے (نکل نکل کر) اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اٹھایا؟ (اللہ فرمائیں گے) یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے۔'' (یٰسین: ۵۱'۵۲)

دوسری حماقت اور عادت بعض لوگوں کی یہ ہوتی ہے کہ جو چیز ان کے مفاد کے خلاف ہو اور طبیعت پر گراں ہو اس کا انکار کر دیتے ہیں گویا وہ اپنے انکار سے اس حقیقت کو رد کرتے ہیں۔

اہل دنیا یعنی کفار چونکہ دنیا کو اپنا نصب العین اور سب سے بڑا اور اہم ترین مقصد سمجھتے ہیں وہ اسی میں خوشحالی چاہتے ہیں چار دن کی زندگی اسی پر قربان کرتے ہیں اور نظریہ قیامت' حساب و کتاب اور سزا و جزاء کا عقیدہ ان کے عیش و عشرت میں بدمزگی پیدا کرتا ہے کہ قیامت کا ایمان رکھنے والا گناہ سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہوسکتا ہے وہ زنا کار عورتوں کے مزے نہیں لوٹ سکتا وہ حرام مال جمع کر کے چین کی زندگی حاصل نہیں کرسکتا صبح کی اذان کے بعد وہ مزید ار نیند میں مستغرق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے سر پر ننگی تلوار لٹک رہی ہے اس لئے کفار نے قیامت کا انکار کیا تا کہ ان کے مزے دوبالا ہوجائیں حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر قیامت کا تصور حقیقت بن کر سامنے آجائے تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟ اگر یہ حیلہ چمگادڑ

کے انکار کی طرح غلط ثابت ہوا تو پھر کیا ہوگا؟

اس حقیقت کے ٹھکرانے کی ایک اور وجہ دنیا پر نازاں ہونے کے علاوہ دنیاوی تعلیم اور ہنر پر گھمنڈ ہے وہ اپنی طبیعت کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اس متفقہ عقیدہ اور نظریہ کو اس لئے ماننے پر تیار نہیں کہ ان کے قول وزعم کے مطابق وہ ان سے کمتر ہیں (العیاذ باللہ) اور کمتر کی بات ماننا کمزور کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے مترادف ہے اسی تکبر کے نشے میں دھت' گناہوں میں چست' تفکر اور تدبر میں سست ان کافروں کے پاس جب بھی کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا یہ اس کا مذاق اڑاتے' تمسخر کرتے عداوت اور مخالفت کرتے اگر بس چلتا تو قتل سے بھی گریز نہ کرتے اگر کچھ دیر کے لئے بات سنتے تو اسے شرمندہ کرنے کے لئے معجزہ لانے کو کہتے جب وہ معجزہ پیش فرماتا تو یہ ساحر اور جادوگر کہہ کر پہلوتہی اور اعراض کرتے پھر وہ تباہ ہو جاتے ان کے انجام کو دیکھنے کے باوجود دوسرے کفار بھی ان کے نقش قدم پر چلتے آخر کس چیز نے ان کو ہلاکت کی وادی میں پہنچایا؟ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَرِحُوا۟ بِمَا عِندَهُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨٣﴾

''پھر جب آئے ان کے پاس رسول ان کے کھلی نشانیاں لے کر تو وہ لوگ اپنے (اس) علم (معاش) پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا اور ان پر وہ عذاب آ پڑا جس کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔'' (مؤمن:۸۳)

یعنی معاش کو مقصود سمجھا اور اس میں جو ان کو لیاقت حاصل تھی اس پر خوش ہوئے اور آخرت کا انکار کر کے اس کی طلب کو دیوانگی قرار دیا اور اس کے انکار پر عذاب

کی وعید کا مذاق اڑایا۔ اپنے مادی ترقیات کے علم پر اتراتے رہے اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایات کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے۔ اس پر امام خازنؒ لکھتے ہیں کہ اس کو علم کہنا ان کے زعم کے مطابق ہے ورنہ درحقیقت وہ جہالت تھی یہ لوگ جاہل تھے۔

" سمی ذالك علماً علی مایدعونه ویزعمونه وهوفی الحقیقة جهل "۔

انبیاء علیہم السلام کے علم کے مقابلہ میں ان کی معلومات بہت حقیر اور قلیل ہیں مگر جہالت مرکبہ لاعلاج مرض ہے اس لیے ان لوگوں کو اپنی اس کمزوری کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾
يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ﴿٧﴾

"اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔" (الروم:۶'۷)

اس لیے ان کو نہ اسباب عقوبت جو کفر و انکار ہے سے اندیشہ ہے اور نہ اسباب نجات جو تصدیق و ایمان ہے کی فکر ہے یہ بے وقوف اپنے تھوڑے سے ظاہری علم کو بہت زیادہ اور اہم سمجھتے ہیں اس لیے آخرت اور انبیاء علیہم السلام کے علوم سے گریزاں رہتے ہیں بلکہ اسے فضول سمجھتے ہیں کہ اس سے دنیا کی متاع حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اس آیت میں چند مفید اشارے ہیں فائدہ عامہ کے لیے ان کا تذکرہ

مناسب ہوگا۔ تفسیر مدارک میں ہے کہ یعلمون، لایعلمون سے بدل ہے اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ دنیوی علم جو آخرت کی رہنمائی نہیں کرسکتا اور جہالت دونوں برابر ہیں۔ ''ظاھراً من الحیاۃ الدنیا'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی ایک ظاہری سطح ہے اور دوسرا باطنی راستہ ہے جاہل لوگ صرف ظاہری سطح کو جانتے ہیں جو دنیا کی آسائش و آرائش کھانا پینا پہننا' اوڑھنا' پیسہ کمانا اور مزے اڑانا وغیرہ ہے' چاہتے اور جانتے ہیں جبکہ اس کا باطن آخرت کی طرف یعنی جنت کی جانب جاتا ہے اور ''ظاہراً'' کی تنکیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ انکے پاس دنیا کے جتنے علوم ہیں یہ ظاہری علوم میں سے فقط ایک ظاہر یعنی فرد واحد اور علم واحد ہے گویا انہوں نے تو ابھی تک دنیا کے علوم کا بھی احاطہ نہیں کیا ان کے پاس تو دنیا کا صرف ایک ہی علم ہے۔ (جزاہ اللہ عنا)

قیامت کا ظہور اور نفخۂ اولیٰ:۔

قیامت ان لوگوں پر قائم ہوگی جو گدھوں اور خنزیروں کی طرح شہوت رانی' بے حیائی اور خرمستیوں میں انتہاء کو پہنچے ہوئے ہوں گے ان میں ایک آدمی بھی ایسا نہ ہوگا جس کے ہونٹوں کی صرف ایک جنبش بھی اللہ کے لئے ہو ان کے دل ظاہر سے زیادہ بدتر ہونگے کہ بظاہری صورت وہ انسان ہونگے مگر اندر سے درندے ہونگے ان کے اعمال کی وجہ سے ساری خلقت جاں بلب آچکی ہوگی ان کے اقوال سے آسمان تک فضا انتہائی بدبودار ہوچکی ہوگی زمین اور اس کا پانی جمادات اور نباتات سارے متعفن ہوگئے ہونگے گویا سب کائنات تنگ آکر حالت نزع میں مبتلا ہوگی یہ اس عالم

کے آخری لمحات ہونگے یہ وہ گھڑی ہوگی جس میں اس نظام اور اجسام عظام کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام جو روز اول سے صور منہ میں لئے عرش پر نظریں جمائے ہوئے ہیں کو جب صور پھونکنے کا حکم ملے گا بس کیا ہوگا ایک آواز آئے گی آواز کیا ہوگی قیامت کی ابتداء ہوگی' طوفانی ہوائیں ہونگی' زلزلے ہونگے' زمین تلاطم خیز موجوں میں پھنسی ہوئی کشتی کی طرح جھولنے لگے گی' پہاڑ کانچ کی طرح اڑ اڑ کر' ٹکرا ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے سمندروں کی حد بندی ختم کر دی جائے گی اس صدمے کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکے گا خوف کی وجہ سے سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے سوائے شہدا اور مقربین کے۔ آسمان بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے وہ بھی پھٹ جائیں گے ستارے اور سیارے بکھر جائیں گے اور بے نور ہو جائیں گے۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَـٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَـٰرَىٰ وَلَـٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ ﴿٢﴾

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (کیونکہ) یقیناً قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی جس روز تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے (اس روز) تمام دودھ والیاں (مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (دن پورے ہونے سے پہلے)

ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ (واقع میں) نشہ میں نہ ہونگے بلکہ اللہ کا عذاب سخت چیز ہے۔" (حج:۲،۱)

اور ارشاد فرمایا۔

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ﴿۴﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ﴿۵﴾

"وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز' اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔" (القارعۃ:۱۔۵)

اس آیت میں قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہے کہ دلوں کو سخت گھبراہٹ سے اور کانوں کو سخت آواز سے کھڑکھڑا ڈالے گی اس کے ہولناک منظر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ پریشان اور منتشر پروانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہونگے افراتفری ہوگی' شور وغل ہوگا' کسی کو کسی کی خبر اور فکر نہ ہوگی' نفسا نفسی کا عالم ہوگا' بچاؤ بچاؤ کی صدا بے اثر ہو کر رہ جائے گی' نہ ماں بیٹی کے کام آئے گی اور نہ باپ بیٹے کے جو جدھر بھی بھاگے وہاں پریشانی ہی پریشانی نظر آئے گی' تباہی ہی تباہی دکھائی دیگی اس خطرناک اور ہیبت ناک منظر کی ایک جھلک یہ بیان فرمائی ہے پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہلکے ہو کر ہوا میں اڑتے رہیں گے۔ (وہ ریگ رواں ہونگے)

اور ارشاد ہے۔

إِذَا ٱلشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ﴿١﴾ وَإِذَا ٱلنُّجُومُ ٱنكَدَرَتۡ ﴿٢﴾ وَإِذَا ٱلۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ ﴿٣﴾ وَإِذَا ٱلۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ﴿٤﴾ وَإِذَا ٱلۡوُحُوشُ حُشِرَتۡ ﴿٥﴾ وَإِذَا ٱلۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ﴿٦﴾

''جب آفتاب بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جائیں گے اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے۔'' (التکویر:۱۔۶)

ان واقعات کا تعلق پہلے نفخہ سے ہے جبکہ دنیا ابھی تک آباد ہوگی اور اس نفخہ سے یہ تغیرات وتبدلات ہونگے اس وقت ہلچل میں کسی کو کہیں کا ہوش نہ رہے گا لوگ اپنا محبوب ترین مال چھوڑ کر بھاگنے لگیں گے حتیٰ کہ وحشی جانور بھی گھبراہٹ کی وجہ سے گڈمڈ ہو جائیں گے بلکہ انسانوں میں گھل مل جائیں گے دریاؤں میں اول طغیانی پیدا ہوگی اور زمین میں دراڑیں پڑ جائیں گی جس سے سب میٹھے اور کھاری دریا ایک ہو جائیں گے پھر شدت حرارت سے سب کا پانی آگ بن جائے گا اس کے بعد یہ عالم فنا ہو جائے گا۔

دونوں نفخوں کے درمیان وقفہ:۔

جو مقرب فرشتے ہیں جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت اور بعض روایات کے مطابق حاملینِ عرش ان کو اگرچہ نفخ صور کے اثر سے موت نہیں آئے گی مگر اس کے بعد ان کو بھی موت آجائے گی سب سے اخیر میں ملک الموت پر موت طاری ہوگی اب کوئی متنفس ذات اور زندہ چیز باقی نہیں رہے گی بس سوائے ایک

ذات حق کے کوئی اس وقت زندہ نہیں رہے گا پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے "لمن الملك اليوم ؟" کس کا راج ہے آج ؟ یعنی آج کے دن ملک کس کا ہے؟ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ اس کے ساتھ اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے۔

انا المَلِكُ انا الجبار انا المتكبر أين ملوك الارض؟ اين الجبارون؟ اين المتكبرون؟

(تفسیر ابن کثیر ص:۴۷ ج:۴)

"میں ہی بادشاہ ہوں میں ہی زبردست ہوں میں ہی بڑا ہوں کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں وہ سرکش؟ یعنی جو خود کو زبردست کہا کرتے تھے اور کہاں ہیں وہ متکبرین؟ یعنی جو دنیا کی بادشاہت پر مغرور و نازاں تھے۔"

یہ اعلان تین مرتبہ ہوگا مگر کون ہے جو جواب دے سکے؟ وہاں تو خاموشی اور سناٹا ہوگا اگر ہوں گے بھی جیسے کہ بعض روایات کے مطابق یہ ارشاد اللہ عزوجل نفخہ ثانیہ کے بعد جب سب خلائق محشر میں جمع ہو جائیں گے فرمائیں گے لیکن کس کی مجال جو یہ دعوی کر سکے وہاں تو متکبرین سرنگوں ہونگے شرمندہ ہونگے اور بدحال و بے مجال ہونگے پھر اللہ فرمائیں گے "لله الواحد القهار" اللہ کا ہے جو اکیلا ہے اور غالب ہے اگر یہ ارشاد محشر سے متعلق ہو تو تمام مخلوقات مؤمنین و کافرین یہ جواب دیں گے مؤمن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوشی کی صورت میں کہیں گے اور کافر مجبور و عاجز ہونے کی بناء پر رنج و غم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے جیسے کہ ازل میں "الست

بربکم" کے جواب میں دونوں فریقین کا جواب ایک تھا لیکن محرک الگ الگ تھے۔

سکتے اور فنا کا یہ زمانہ چالیس سال تک جاری رہے گا بعض روایات کی رو سے کفار وفساق سے عذاب قبر اٹھالیا جائے گا اس کی حکمت شاید یہ ہوگی تا کہ اس عارضی آرام کے بعد جو مصیبت ان پر آنے والی ہے اور جس المناک صورت حال کا وہ سامنا کرنے والے ہیں اس کا دکھ ودرد مزید دگنا ہو کیونکہ راحت کے بعد شامت مناسب قیامت ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ سورہ یٰسین کی آیت کے مطابق جب یہ قبروں سے اٹھیں گے تو کہنے لگیں گے "من بعثنا من مرقدنا" کس نے ہمیں ہماری خوابگاہوں (یعنی قبروں سے) سے اٹھادیا؟

نفخۂ دوم:۔

اس کے بعد سب سے پہلے اللہ عزوجل حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا انہیں دوبارہ صور پھونکنے کا حکم فرمائے گا اس نفخہ پر سب لوگ پھر زندہ ہوجائیں گے یہ منظر پہلے کی بنسبت کوئی زیادہ خوشگوار نہ ہوگا فرق صرف اتنا ہوگا کہ پہلی بار صور کی آواز سننے سے گھبراہٹ کی شدت میں موت آسکتی تھی اب کی بار موت کا تصور اور وجود ختم ہوجائے گا تکلف کر کے کوئی خاموش رہے جو ناممکن ہے یا چیختا اور چلاتا رہے دونوں حالتیں برابر ہیں نہ خاموشی سے مصیبتوں میں کمی ہوگی اور نہ ہی بڑبڑانے سے آرام ملے گا خواہی نا خواہی میدان محشر کی جانب قافلے رواں دواں ہونگے زمین اب مکمل ہموار فرش کی مانند مسطح ہوگی کوئی اونچ نیچ اس میں نہیں ہوگی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ﴿٦٨﴾

"پھر (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو فوراً سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔" (زمر:۶۸)

ہر آدمی اپنے اپنے عمل کے مطابق قبر سے اٹھے گا برے عمل والا بری حالت میں گرفتار ہوگا اور نیک عمل والا اچھی حالت وصورت میں مبعوث ہوگا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جب کافر یا فاجر قبر سے نکلے گا تو انتہائی بدصورت اور بے حد متعفن بدبودار چیز اس سے پیش آئے گی یہ اس سے کہے گا تم کون ہو وہ جواب دے گی کیا تم مجھے نہیں جانتے ہو؟ یہ کہے گا خدا کی قسم میں تجھے سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ اللہ نے تیری شکل بہت خراب بنائی ہے اور تیری بدبو بہت زیادہ خراب ہے وہ کہے گی میں تمہارا خبیث عمل ہوں اسی طرح (میری طرح) تیرا عمل دنیا میں خبیث تھا، بدبودار تھا تم دنیا میں مجھ پر بہت سوار رہ چکے ہو آؤ آج میں تم پر سوار ہو جاتی ہوں۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا۔

وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٣١﴾

"اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہونگے خوب سن لو کہ بری چیز ہوگی جس کو وہ لادیں گے۔" (انعام:۳۱)

بعض روایات میں ہے کہ یہ عمل اس پر لدا رہے گا یہاں تک کہ اسے لیجا کر جہنم میں داخل کر دے۔ (ص:۱۳۱ ج:۱) اس کے ساتھ ایک اور مصیبت یہ ہوگی کہ ان کو صاف دکھائی بھی نہیں دے گا گو کہ بعد میں دوزخ دکھانے کے لئے ان کی نظر تیز کر دی جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَوْمَ يُنفَخُ فِي ٱلصُّورِ ۚ وَنَحْشُرُ ٱلْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾

''جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ (آنکھوں سے) کرنجے ہونگے (یعنی نیلی آنکھیں)''۔(طہٰ:۱۰۲)

جبکہ طہٰ:۱۲۴ میں نابینا کی تصریح ہے۔

جن لوگوں نے دوسروں کو گناہ کی دعوت دی ہوگی یا گناہ پر اکسایا ہوگا یا کوئی گناہ رچایا ہوگا ان کی حالت ان سے بھی زیادہ بدتر ہوگی وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان لوگوں کے گناہوں کے بار تلے بھی دبے ہونگے جن کو آمادہ بر گناہ کیا تھا۔اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ

''اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہونگے اور اپنے (ان) گناہوں کے ساتھ (ہی) کچھ اور گناہ (بھی لادے ہونگے)۔(العنکبوت:۱۳)

اور ارشاد ہے۔

لِيَحْمِلُوٓا۟ أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ ٱلَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾

''(نتیجہ اس کا یہ ہوگا) کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اور جن کو یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے ان (کے گناہوں) کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا خوب یاد رکھو جس (گناہ) کو یہ اپنے اوپر لادرہے ہیں وہ برا (بوجھ) ہے۔''(النحل:۲۵)

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سے دوسرے گمراہوں کے بوجھ میں کمی واقع

ہوگی بلکہ واقعہ یہ ہوگا کہ گمراہ کنندہ کے بوجھ ڈبل ہو جائیں گے جبکہ گمراہوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں ہوگی اگر کسی نے دوسرے کی زمین ہتھیالی ہوگی تو وہ ساتویں زمین تک اس کے گلے میں پڑی رہے گی' کسی کے منہ میں سانپ لگا ہوا ہوگا' کسی کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہونگے' کسی کی سرین کے پاس جھنڈی لہرا رہی ہوگی الغرض تکلیف کا یہ عالم ہوگا کہ باوجود یکہ لوگ ننگے ہونگے یعنی جس حالت میں پیدا ہوئے تھے اسی حالت میں قبروں سے نکلے ہونگے لیکن کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں ہوگی۔

پھر یہ لوگ میدان محشر سے جہنم کی طرف کشاں کشاں چل پڑیں گے لیڈر آگے آگے ہونگے اور تابعدار پیچھے چل رہے ہونگے مثلاً فرعون اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا ان کو جہنم میں اتار رہا ہوگا۔ ارشاد ہوا۔

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾

"(یہ فرعون) آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے گا ان کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر وہ پہنچیں گے۔" (ہود:۹۸)

دیکھا آپ نے پیاس سے بدحال پانی کی تلاش میں ٹھنڈے پانی کی جگہ گرم پانی اور ٹھنڈے سائے کے بجائے بھسم کر دینے والی آگ پر پہنچیں گے' پھر جانا بھی کوئی آسان نہ ہوگا بلکہ سر کے بل چلیں گے اور عرصہ دراز تک چلتے رہیں گے۔

میدان محشر کا منظر:۔

روایات کے مطابق لوگ قبروں سے مختلف حالات میں اٹھیں گے اپنے اپنے عمل کے مطابق ان کا حشر ہوگا یعنی جو آدمی جس عمل پر مرا ہے وہ اسی حیثیت سے اٹھے گا اس کا عمل جسم مثالی کے ساتھ مشکل ہو کر یا بعینہ سابقہ حالت میں اس کے ساتھ لگا ہوا ہوگا جس سے چھٹکارہ پانے کی کوئی صورت نہ ہوگی قاتل مقتول کی گرفت میں آجائے گا خودکشی کرنے والا آلہ قتل ہاتھ میں لئے خودکشی کرتا ہوا نکلے گا وغیرہ جبکہ نیک لوگ اپنے اعمال کے ثمرات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مبعوث ہونگے' شہید کا خون خوبصورت رنگ لاکر خوشبو سے اس کو معطر کرے گا' نمازیوں کے اعضائے وضو سفید چمکدار ہونگے۔

پھر ہر آدمی پر دو فرشتے مقرر ہونگے ایک آگے ہوگا دوسرا پیچھے' ان کو لاکر ایک ہموار میدان میں جس کی مٹی سفید سرخی مائل ہوگی جمع کر دیا جائے گا اس میں کسی قسم کا نشان تک نہ ہوگا اور کوئی اونچ نیچ نہیں ہوگی۔

جب لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں گے تو اوپر سے سورج کو بقدر ایک میل قریب کر دیا جائے گا لوگوں کی کثرت اور شدت حرارت کی وجہ سے گرمی اتنی بڑھے گی کہ لوگ پسینے سے شرابور ہو جائیں گے حسب اعمال مجرم لوگ پسینے میں ڈوب جائینگے کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا' تو کسی کا گھٹنوں تک' کوئی ناف تک ڈوبا ہوا ہوگا تو کوئی منہ تک' بایں کیفیت کہ منہ کا نچلا جبڑا پسینے میں ہوگا اور اوپر والا باہر ہوگا لگام کی طرح منہ کو تقسیم کرے گا جس سے حالت نزع کی کیفیت پیدا ہو جائے گی مگر موت نہیں آئے گی

اس کے ساتھ اپنے اعمال کا مزید وبال بھی ہوگا' زکوٰۃ نہ دینے والوں پر انکا مال مسلط ہو جائے گا' سونا چاندی کو جہنم کی آگ سے گرم کر کے ان کی پیشانیوں' پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا' ایک گنجا سانپ (انتہائی زہریلا) جس کے سر پر دو سینگ نما کانٹے ہونگے اس کے گلے کا طوق بن جائے گا جو اس کے دونوں جبڑوں میں منہ ڈال کر کہے گا کہ میں تیرا مال اور خزانہ ہوں اگر وہ مال مویشی اور جانور ہوں تو وہ اس کو روندتے رہیں گے کہ جب آخری جانور گذر جائے گا تو پہلے والا پھر چڑھ آئے گا جبکہ مانع زکوٰۃ لیٹا ہوگا اسی طرح دیگر اعمال بدوالے اپنے اپنے اعمال کے انجام بد میں بری طرح گرفتار ہونگے یہ سلسلہ پچاس ہزار سال تک جاری رہے گا یہاں تک کہ فیصلہ ہو جائے اگر وہ دوزخی ہوگا تو اس کی طرف لے جایا جائے گا اور اگر جنتی ہوگا تو جنت میں چلا جائیگا۔

اس پریشانی اور تکلیف کا عالم یہ ہوگا کہ لوگ دنیا کی سب راحتیں بھول جائیں گے قبر کا عذاب ان کو راحت و آرام محسوس ہوگا گذرا ہوا زمانہ ایک دن کے بقدر لگے گا آپس کی رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی' باپ کو بیٹے اور بیٹی کی فکر ہوگی نہ ماں کو اولاد کی' نہ کسی کو ماں باپ کا تصور ہوگا نہ شوہر بیوی کا مشتاق ہوگا' نہ عزیز عزیز سے اور دوست دوست سے ملنے کا سوچے گا بس نفسا نفسی اور افراتفری کا عالم ہوگا ہر آدمی اپنی فکر میں ڈوبا ہوا ہوگا' نہ وقت گذرے گا نہ تکلیف اور مصیبت میں وقفہ ہوگا' نہ سایہ ملے گا اور نہ ہی پیاس بجھانے کو تھوڑا سا پانی مہیا ہوگا' نہ بیٹھنے اور لیٹنے سے راحت ملے گی اور نہ فرار سے نجات ممکن ہوگی' کہیں سایہ نظر نہیں آئے گا' کہیں بادل کے نیچے جانا ممکن نہ رہے گا' دھوپ کی شدت میں کمی کی کوئی توقع نہ ہوگی' سورج غروب ہونے کا نام نہیں

لے گا' سر سے ٹلنے کا کام نہیں کرے گا' نیچے سے زمین انتہائی گرم ہوگی' جوتے پہننے کو نہیں ملیں گے' سر ڈھانپنے کے لئے کوئی کپڑا میسر نہیں ہوگا' پسینہ ہوگا تو وہ بھی گرم' غسل کرنا بھی چاہے تو کس چیز سے کرے؟ پانی پینا چاہے گا تو کہاں سے لائے؟ نہ تو وہاں بازار ہیں نہ دوکان نہ چشمہ۔ نہر' دریا یا بارش کا تصور ختم ہو جائے گا زراعت نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی جس سے آس لگائے کہ چلو چند سال بعد ہی صحیح کھانا مل تو جائے گا' الغرض مصیبت کا جتنا تصور کیا جا سکتا ہے وہ تکلیف اس سے بڑھ کر ہے ایک ہوشمند اور عقلمند کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

تاہم مؤمنین اور نیک بندگان خدا اس تکلیف سے مستثنیٰ ہوں گے جو دن کفار اور گنہگاروں کے لئے شدت مصیبت کی وجہ سے پچاس ہزار سال کا ہوگا' وہ ان پاک لوگوں کے لئے ایک نماز کے وقت جتنا ہوگا ان کے بھی مختلف درجات ہوں گے اگر ایک جانب کفار اور فساق سے مشابہت کرتے والے اپنے پیشواؤں کے ساتھ ہونگے' نماز نہ پڑھنے والے اور خشوع کا عمل نہ کرنے والے قارون' فرعون اور ہامان جیسے متکبرین کے ساتھ ہونگے تو ادھر دوسری طرف بہت سے ایماندار انبیاء علیہم السلام کی معیت سے مسرور ہونگے کسی کی گردن میدان محشر میں فخر سے اونچی ہوگی کہ اس نے اللہ کی رضا کے لئے اذانیں دی تھیں' کسی کے سر پر سورج جیسا روشن تاج ہوگا' کہ اس نے اپنے بیٹے کو قرآن کا حافظ عالم باعمل بنایا تھا' کوئی اونچے اونچے منبروں پر بیٹھے ہونگے الغرض وہ اپنے اعمال کے مطابق ثمرات سے محظوظ ہونگے۔ بالفاظ دیگر قیامت کی ہولناکیاں دیکھ کر گھبرانا ایک فطری عمل ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ ابتدائے بعث اور شروع حشر کی گھبراہٹ ان سے جلد رفع ہو جائے گی۔ پیاس لگے گی تو اپنے اپنے

انبیاء علیہم السلام کے حوضوں پر جا کر سیراب ہو جائیں گے جس کے بعد کبھی پیاس نہ لگے گی گو کہ انتظار اور آخری فیصلے کا نتیجہ آنے تک مہلت بہت تشویشناک ہو گی۔

حوض کوثر:۔

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً کے حوض کا نام کوثر ہے اس کی وسعت ایک ماہ کی مسافت کی بقدر ہو گی اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے شہد سے زیادہ میٹھا ہے' اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ نفیس اور عمدہ ہے' اس میں جنت سے آنے والے دو نالے گر رہے ہوں گے اور اس کے (پینے کے گلاس وغیرہ) برتن آسمانی ستاروں کی مانند (کثیر اور) چمکدار ہونگے' جس نے ایک مرتبہ اس کا پانی پی لیا اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر نبوی پر بیٹھے اور کبھی کھڑے ہو کر بنفس نفیس اپنے ہی دست مبارک سے پانی پلایا کریں گے اس منظر کو دیکھ کر وہ لوگ بھی آنے کی کوشش کریں گے جو اس کے مستحق نہیں ہونگے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان پر امتی ہونے کے کچھ نشانات دیکھ کر پانی پلانا چاہیں گے لیکن فرشتے ان کو واپس لوٹا کر حوض تک نہ آنے دیں گے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے یہ میرے امتی ہیں تو جواب ملے گا آپ کو کیا خبر کہ انہوں نے آپ کی وفات کے بعد کیا کچھ کیا ہے؟ بخدا وہ مسلسل دین سے الٹے پاؤں واپس ہوتے رہے۔

آب کوثر وہ خوش قسمت اور نیک سیرت لوگ پی سکیں گے جو آپ کی امت میں ہوں جن کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے کہ ان کے

ہاتھ پاؤں اور چہرے وضو کی وجہ سے چمک رہے ہونگے۔اس طرح ان کی جسمانی پیاس بھی ختم ہوجائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت کرکے روحانی تشنگی بھی کم ہوجائے گی۔

شفاعت کبریٰ:۔

اس میں شک نہیں کہ مجموعی طور پر محشر کی صورتحال انتہائی اندوہ ناک ہوگی لوگ ناقابل تصور حد تک اندوہ گیں، رنجیدہ اور مغموم ہونگے، یہاں تک کہ فجار اتنے تنگ آجائیں گے کہ وہ چاہیں گے جو بھی فیصلہ ہونا ہے اب ہوجائے تاکہ اس المناک عذاب سے نجات ملے۔

ترمذی اور صحیحین وغیرہ میں روایت ہے کہ ایسے میں لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ تمہاری مصیبت کہاں تک پہنچی ہے؟ کیا ایسا شخص تلاش نہیں کرتے ہو جو تمہارے رب سے سفارش کرے (تاکہ حساب شروع ہو) پھر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آدم علیہ السلام کے پاس چلو، پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم ابوالبشر ہو اللہ نے آپ کو اپنے دست مبارک سے (یعنی بلاواسطہ) پیدا کیا ہے اور آپ میں اپنی پیدا کی ہوئی روح پھونکی، اور فرشتوں کو حکم فرمایا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا تو آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجیے آپ ہم کو دیکھتے نہیں کہ ہم سب کس بلا میں گرفتار ہیں؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری مصیبت کہاں تک پہنچی ہے؟ تو آدم علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ میرا رب آج ایسا غصہ ہوا ہے کہ نہ کبھی اس سے پہلے اتنا غصہ ہوا تھا اور نہ کبھی اس کے بعد

اتنا غصہ ہوگا اور اس نے مجھے ایک درخت سے منع فرمایا تھا تو میں نے (صورتاً) اس کی نافرمانی کی "نفسی نفسی" تم لوگ کسی اور کے پاس جاؤ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ چنانچہ وہ سب نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے نوح! تم پہلے رسول ہو جو زمین والوں کے پاس بھیجے گئے اور اللہ جل شانہ نے آپ کا نام شکر گذار بندہ رکھا' اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کرو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہماری مصیبت کس حد تک پہنچی ہے؟ تو نوح (علیہ السلام) ان سے کہیں گے کہ میرا رب آج کے روز ایسا غصہ میں ہے کہ نہ کبھی اس سے پہلے ایسا غصہ ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا غصہ ہوگا اور میرے لئے ایک دعا مستجاب تھی تو وہ (میں نے خرچ کردی ہے جو) میں نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے مانگی۔ "نفسی نفسی" تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ تو وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی ہیں زمین والوں میں سے اس کے خلیل ہیں' تو آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم کس بلا میں ہیں؟ سو وہ کہیں گے بے شک میرا رب آج کے روز ایسا غضب ناک ہے کہ نہ اس سے قبل کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ اس کے بعد ایسا ہوگا' اور میں نے (صورتاً) تین جھوٹ بولے ہیں' پھر ابوحیان نے اپنی روایت میں کہا "نفسی نفسی نفسی" تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ پھر وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے موسیٰ (علیہ السلام) تم اللہ کے رسول ہو اللہ نے تمہیں اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ فضیلت دی ہے' آپ ہماری سفارش اپنے

رب سے کریں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس تکلیف میں ہیں؟ وہ فرمائیں گے کہ بے شک میرا رب آج کے روز اس قدر غضب ناک ہے کہ کبھی اس سے قبل ایسا نہ ہوا اور نہ اس کے بعد ایسا ہوگا اور میں نے ایک جان مار ڈالی ہے (یعنی قبطی) جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں تھا ''نفسی نفسی نفسی'' جاؤ تم میرے سوا کسی اور کے پاس' چنانچہ وہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ تم اللہ کے رسول ہو اور اس کا کلمہ جو اس نے مریم کی طرف ڈالا (یعنی اسباب ولادت کے بغیر کلمہ کن سے پیدا ہو گئے) اور اس کی طرف سے روح ہو اور تم نے ماں کی گود میں لوگوں سے باتیں کیں آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجیے کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ سو عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ آج میرا رب ایسا غصہ ہوا ہے کہ نہ کبھی اس سے پہلے ایسا ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا ہوگا وہ اپنی کسی خطا کا ذکر نہ فرمائیں گے ''نفسی نفسی نفسی'' تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ تو وہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخشے گئے ہیں آپ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجیے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس بلا میں گرفتار ہیں؟ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) سو میں چلوں گا اور عرش کے نیچے آؤنگا اور سجدہ میں گر پڑوں گا اپنے رب کی تعظیم کے لئے پھر اللہ تعالیٰ میرے قلب وزبان پر اپنی محامد اور حسن ثنا کو اس قدر کھولے گا کہ مجھ سے قبل کسی پر نہ کھولا ہوگا۔

پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! سر اٹھاؤ اور سوال کرو جو مانگو گے پاؤ گے اور

شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا (یارب میں اپنی امت کی نجات مانگتا ہوں) یارب امتی یارب امتی یارب امتی تو باری تعالیٰ فرمائیں گے اے محمد! تم اپنی امت میں ان لوگوں کو جن پر حساب وکتاب نہیں ہے جنت کے داہنے دروازے میں داخل کردو اور وہ دوسرے دروازوں میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہونگے۔ (الحدیث)

یہ سب سے پہلے کی جانے والی اور منظور ہوجانے والی سفارش ہوگی اس سے قبل کسی کی ہمت نہیں ہوسکی تھی کہ سفارش کے لئے قدم بڑھائے حتی کہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام نے بھی معذرت کا اظہار فرمایا اللہ عزوجل نے یہ اعزازِ عظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا اس لئے اس درجۂ کبریٰ اور رتبۂ علیا کو مقام محمود کہتے ہیں کہ سب خلائق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کے مقام سے آگاہ ہوکر ان کی تعریف وستائش کریں گے۔ دوسری سفارشات کے لئے اس شفاعت سے دروازہ کھل جائے گا۔

عدالت عالیشان:۔

تفسیر ابن کثیر ص: ۵۱۰ ج: ۴ پر ہے کہ اس شفاعت کی مقبولیت کے بعد اللہ جل شانہ اپنی قہری تجلی کے ساتھ مخلوق کے درمیان فیصلوں کے لئے آئیں گے اللہ کا آنا متشابہات میں سے ہے یہ کس طرح ہوگا مخلوق میں سے کوئی نہیں جانتا یہ صرف اللہ عزوجل کو ہی معلوم ہے۔ اس کے ساتھ آسمانوں کے فرشتے بھی آئیں گے ہر آسمان کے فرشتے قطار بنا کر کھڑے ہوں گے جنات اور انسان بھی صف بندی کرلیں گے۔

اللہ نے فرمایا۔

وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾

''اور آپ کا پروردگار اور فرشتے جوق در جوق (قطار در قطار میدان محشر میں) آئیں گے۔'' (الفجر:۲۲)

اس وقت رعب کا یہ عالم ہوگا کہ تمام مخلوقات جمع ہیں سارے انبیاء علیہم السلام حاضر ہیں' تمام بڑے اور دوسرے فرشتے موجود ہیں' جنات اور شیاطین کی اتنی تعداد ہوگی کہ انسانی شمار سے باہر ہوگی انسانوں میں کوئی نفس غائب نہیں ہوگا' حتی کہ ناتمام حمل جو ساقط ہوا ہو وہ بھی لایا گیا ہوگا' بڑے بڑے فراعنہ' جابرہ اور انتہائی سرکش اور بڑے بڑے دعوے کرنے والے سب اسی ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے' مگر کسی کو نہ نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت ہوگی اور نہ بولنے کی جرأت بلکہ کوئی ملنے کی جسارت بھی نہ کر سکے گا۔ ہر انسان اپنے ماضی کو دیکھ رہا ہوگا اس کے اعمال اس کے ذہن میں اس طرح مستحضر کئے ہوئے ہوں گے جیسا کہ وہ کام اس نے ابھی ابھی کئے ہوں۔ الغرض انتہائی مصیبت پر انتہائی ہیبت سوار ہوگی لیکن سوچ کر انسان ندامت ہی کر سکے گا اس کی فکر' توبہ اور ندامت اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی اس روز انسان کہے گا کہ اب کہیں بھاگ جاؤں لیکن بھاگنا ممکن نہیں ہوگا کہیں پناہ کی جگہ ممکن نہ ہوگی انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جائے گا بلکہ ہر انسان خود ہی اپنی حالت پر مطلع ہوگا خلاصہ یہ کہ کوئی حیلہ' عذر' مکر اور کوئی تدبیر وغیرہ کارگر ثابت نہ ہوگی۔

پھر جنت اور دوزخ کو قریب لایا جائے گا بایں طور کہ ان کا اثر میدان محشر تک پہنچے گا اس کے ساتھ لوگوں کو بھی تقسیم کیا جائے گا اہل حق اور مستحقین جنت کو عرش

کے دائیں جانب ٹھہرایا جائے گا جہاں جنت کی خوشبو آئے گی جو پانچ سو سال کی مسافت تک محسوس ہوگی تاہم جو زیادہ مقرب لوگ ہوں گے ان کو عرش کے سایہ میں بڑے اکرام کے ساتھ جگہ دی جائے گی جبکہ بعض لوگ اپنی خطاؤں کی بناء پر اتنی دوری پر ہونگے جہاں وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکیں گے۔

اس کے برعکس دوزخیوں کے لئے جہنم سامنے لاکر ان کو اس جانب جانے کو کہا جائے گا۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔

وَجِاْیْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿۲۴﴾

''اور اس روز جہنم کو لایا جائے گا اس روز انسان کو سمجھ آئے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا؟ کہے گا کاش میں اس زندگی کے لیے کوئی (نیک) عمل آگے بھیج دیتا۔'' (الفجر: ۲۳، ۲۴)

پھر اس جہنم سے بادل نما دھواں اٹھ کر میدان محشر کی جانب آئے گا کثرت کی وجہ سے وہ بلند ہونے کے بعد پھٹ کر کئی (تین) ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔ حساب سے فارغ ہونے تک کفار اسی آگ اگلنے والے دھویں میں ہونگے جس میں اندھیرا بھی ہوگا، وہ تنفس میں اندر بھی جائے گا، اور گرمی کی انتہاء کے ساتھ وہ چنگاریاں بھی پھینک رہا ہوگا جو اونٹوں کی مانند بڑی بڑی ہونگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾

"تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلاتے تھے' ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ (ٹھنڈا) سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے وہ انگارے برسائے گا جیسے بڑے بڑے محل جیسے کالے کالے اونٹ۔" (المرسلات:۲۹۔۳۳)

دیکھئے جو لوگ دنیا میں حقیر سمجھے جاتے تھے یا اللہ عزوجل کی عبادت میں مصروفیت کی وجہ سے فقیر تھے ان کو تو جنت کا پھل مل رہا ہے۔ وہ عرش کے سایہ میں بڑے خوش ہیں نہ پیاس کی شدت ہے' اور نہ ہی بھوک کی حدت' اور نہ کوئی اور زحمت جبکہ دنیا میں عیش کرنے والے متکبرین مصائب کے ایسے لامتناہی سلسلہ میں گرفتار ہوئے' کہ جب اگلا مرحلہ دیکھتے ہیں تو پچھلا بھول جاتے ہیں قبروں میں گئے تو وہاں کے آلام دیکھ کر دنیا کے آرام فراموش کر گئے جب قبروں سے اٹھے تو قبروں کو خوابگاہ تصور کرنے لگے' جب محشر میں جمع ہو گئے تو شدت حرارت' پیاس' بھوک اور دیگر تکالیف سے سابقہ حالات اور تکلیفات کے واقعات کو خوشگوار انتظامات سمجھنے لگے' جب مذکورہ بالا دھوئیں میں دھکیلے گئے تو ان کے ہوش اڑ گئے پھر یہی نہیں' اس پر بس نہیں بلکہ یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا حساب کے اختتام تک ہی نہیں بلکہ پھر انہیں آگوں کی آگ میں پھینکا جائے گا۔ (اعاذنا اللہ منہا آمین ثم آمین)

عدالتی کارروائی:۔

پھر اس کے بعد سب کے اعمال نامے حاضر کر دیئے جائیں گے' دفتر عالی کھل جائے گا اور حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَٰبُ وَجِاْىٓءَ
بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ
﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۷۰﴾

''اور زمین اپنے رب کے نور (بے کیف) سے روشن ہو جائے گی اور (سب کا) نامہ اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جائے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔'' (زمر: ۶۹،۷۰)

اس عدالتی کارروائی میں کسی قسم کی کمی بیشی ظلم وزیادتی اور نقصان ونسیان کا امکان نہیں اور نہ ہی کسی خطاء وغلطی اور ردوبدل کا احتمال ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے اعمال نامے سے نیکیاں غائب کر دی جائیں۔ رشوت دھوکہ وغیرہ کے ذریعے اسے ہراساں کیا جائے۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۷﴾

''سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا۔'' (الزلزال: ۷)

ایسا بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ اعمال ناموں میں تبدیلی آجائے کیونکہ جس طرح یہ بات ناممکن ہے کہ کسی کی جان دوسرے کے تن اور بدن میں گھس جائے یا ڈالی جائے یا اعضاء میں ردوبدل کر دیا جائے یا کچھ اعضاء کم یا زیادہ کر دیے جائیں اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اعمال ناموں میں تغیرات کر کے انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کی کوتاہیوں کو معاف کر کے نامہ اعمال سے غائب کر دیا جائے مثلاً کفر کے بعد اسلام لانے سے سابقہ گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ اسی

طرح (العیاذ باللہ) اگر کوئی مرتد ہو گیا ہو تو اس کی نیکیاں حبط اور لغو ہو جاتی ہیں کیونکہ پہلی صورت میں وہ شر، شر نہیں رہا اور دوسری صورت میں وہ خیر، خیر نہ رہی۔

اس وقت نیکیوں کی قدر بہت بڑھ جائے گی۔ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے "رکعتا الفجر خیر من الدنیا و مافیها" صبح کی دو رکعات (سنت) دنیا و مافیہا کے سامان وغیرہ سے افضل و بہتر ہیں۔ اس وقت آدمی کو معلوم ہو جائے گا کہ ساری دنیا ایک طرف اور دو رکعت دوسری جانب ہوں تو یہ دو رکعت بہتر ہیں بلکہ ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا بھی افضل ہے۔

اسی طرح مصائب اور آلام دنیویہ پر بھی ثواب جزیل عطا ہوگا۔ نابینا کو الگ ثواب مل رہا ہے، لنگڑے کو الگ، مفلوج کو الگ، مریض کو الگ گویا معذورین اور مصیبت زدہ لوگوں پر انعامات کی موسلا دھار بارشیں شروع ہو جائیں گی۔

دوسرے لوگ ان انعامات کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی جاتیں۔ بالفاظ دیگر دنیا کی مصیبتیں انعامات میں تبدیل ہو جائیں گی اور نیکی کی قدر تصور سے زیادہ بڑھ جائے گی۔ ابن کثیر نے ایک حدیث بیان کی ہے۔

قال بسنده .... عن محمد بن عمرة و كان من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لو ان عبداً خر على وجهه من يوم ولد الى ان يموت في طاعة الله لحقره يوم القيامة ولود انه رد الى الدنيا كيما يزداد من الاجر والثواب ۔ (تفسیر ابن کثیر ص: ۵۱۰ ج: ۴)

''یعنی حضرت محمد بن عمرہ صحابیؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ایسا بھی ہو کہ پیدائش سے موت تک مسلسل عبادت پر تلا اور جما رہے (یعنی اس کے سوا دوسرا کوئی کام نہ کرے) تو بھی وہ قیامت کے دن اس عبادت کو معمولی سمجھے گا اور تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں لوٹا دیا جائے تا کہ مزید اجر وثواب کما لائے۔''

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اجتماعی طور پر انبیاء اور رسل علیہم السلام کو اپنی اپنی امت کے ساتھ بلایا جائے گا پھر ان دونوں فریقین سے سوال ہوگا۔ جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦﴾

''پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبر سے (بھی) ضرور پوچھیں گے۔'' (الاعراف:٦)

امتوں سے سوال ہوگا ''ماذا اجبتم المرسلین؟'' تم نے ہمارے پیغمبروں کی دعوت کو کہاں تک قبول کیا تھا؟ اور خود پیغمبروں سے پوچھیں گے ''ماذا اجبتم'' تم کو امت کی طرف سے کیا جواب ملا تھا؟ اور یہ سوال محض ضابطے کی کاروائی ہے ورنہ اللہ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح فرشتوں کا لکھنا' محفوظ کرنا اور پھر قیامت کے دن پیش کرنا محض ضابطہ کی مراعات اور نظام حکومت کا مظاہرہ ہے۔

کافر امتوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا وہ کوئی قابل قبول بات نہ بتا سکیں گے ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا اس لئے وہ ایک ناکام کوشش کے طور پر اور حربے کے طور پر تبلیغ کا انکار کردیں گے وہ کہیں گے کہ ہمیں تو کوئی پتہ نہیں ہمارے

پاس تو کوئی پیغمبر یا قاصد آپ کی طرف سے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ بخاری وترمذی میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے۔

قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :یدعی نوح فیقال ھل بلغت فیقول نعم فیدعی قومہ فیقال ھل بلغکم فیقولون مااتانامن نذیر ومااُتانامن احد۔

حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا ان سے کہا جائے گا کیا آپ نے لوگوں تک ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ فرمائیں گے ہاں پھر ان کی امت کو بلایا جائے گا ان سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تمہیں ہمارا پیغام پہنچادیا تھا؟ تو وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا اور ہمارے پاس تو کوئی بھی نہیں آیا تھا۔

گویا دنیاوی خساست آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑتی یہ آدمی کے ساتھ قبر تا حشر لگی رہتی ہے جس طرح وہ دنیا میں مہد سے لحد تک فریب کرتا رہا تھا اسی طرح جب اس سے منکر ونکیر قبر میں سوال پوچھ رہے تھے تو اس وقت بھی ان فریب کاروں نے جھوٹ بولا تھا اور جب محشر میں اللہ کو جواب دیں گے تو بھی جھوٹ ہی بولیں گے مگر ان کا یہ فریب اگر دنیا میں بزعم خود کسی حد تک کامیاب رہا تھا تو وہ اس لئے کہ اسے مکمل چھوٹ دی گئی تھی آج صورتحال یکسر مختلف ہے آج حقائق کو مسخ نہیں کیا جا سکتا آج باطل حق کے رنگ میں ظاہر نہیں ہوسکتا اور جھوٹ سچ کی شکل بنا نہیں سکتا اس لئے ان کا یہ حیلہ جلد ہی ناکام ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ عزوجل حضرت نوح علیہ السلام سے گواہ لانے اور گواہی پیش کرنے کو فرمائیں گے۔

فیقال من شهودك؟ فیقول محمد وامته قال فیؤتی بکم
تشهدون انه قد بلغ۔ (لفظ للترمذی ص:۱۲۵ج:۱۲ایچ ایم)

پھر نوح علیہ السلام سے دریافت ہوگا آپ کے گواہ کون ہیں؟ تو وہ فرمائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تمہیں پیش کردیا جائے گا تو تم گواہی دوگے کہ انہوں نے پیغام پہنچادیا تھا۔

چنانچہ جب تمام کفار پر امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ گواہی دیں گے تو باری باری وہ ان پر بھی جرح کریں گے تو یہ جواباً فرمائیں گے کہ ہمارے پاس قرآن آیا تھا اس میں یہ تھا کہ ان انبیاء نے تبلیغ فرمائی ہے جبکہ حضور علیہ السلام اس امت پر گواہ ہیں لہٰذا وہ تمام خلائق پر گواہ ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم۔

چنانچہ کفار مقدمہ ہار جائیں گے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان کو جہنم کی جانب روانہ کردو جب ان کو گھسیٹا جائے گا تو پھر آواز آئے گی کہ ہلومت، اپنی اپنی جگہ پر رہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾

"اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو (میدان قیامت میں) جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے کھڑے ہو اپنی جگہ پھر ہم ان (عابدین اور معبودین) کے درمیان پھوٹ ڈالیں گے اور ان کے

شرکاء (ان سے خطاب کر کے) کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔" (یونس: ۲۸۔۲۹)

دنیا میں انہوں نے اپنے معبودوں سے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اس لئے ان کو مزید رسوا کرنے کے لئے ان کے معبودوں سے ان کی بات کرا دی تا کہ ان کو معلوم ہو کہ جن کو وہ اپنا کارساز سمجھتے تھے جن پر ان کو بڑا ناز تھا آج وہ کتنے طاقتور ہیں؟ کیا وہ ان کو سامنے والے عذاب سے بچا سکتے ہیں؟ یہ بڑا عجیب منظر ہوگا اور بہت مایوس کن صورتحال ہوگی کہ عابدین اور معبودین میں جدائی پڑ جائے گی اور دنیا میں اپنے اوہام وخیالات کے مطابق انہوں نے جو رشتے جوڑ رکھے تھے وہ سب توڑ دیئے جائیں گے اس ہولناک وقت میں جبکہ مشرکین کو اپنے فرضی معبودوں سے بہت کچھ توقعات تھیں وہ صاف جواب دے دیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلق؟ تم جھوٹ بکتے ہو کہ ہماری بندگی کرتے تھے چنانچہ یہ لوگ ایک بار پھر انتہائی مایوسی کا شکار ہو جائیں گے اور اپنا راستہ لے لیں گے۔ ابھی ایک مایوسی اور شرمندگی سے دامن نہیں چھوٹا تھا کہ ایک اور رسوائی میں پڑ جائیں گے۔ ارشاد ہوا۔

اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾ مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾

قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ
بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾
فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾

''جمع کرلو ظالموں کو اور انکے ہم مشربوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ اور (اچھا) ان کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا' کہ اب تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے' بلکہ وہ سب کے سب اس روز اپنے آپ کو پکڑواتے ہیں' اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال جواب (یعنی اختلاف) کرنے لگیں گے' (چنانچہ) تبعین کہیں گے کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی (تو آج ہمیں بچاؤ نا) متبوعین کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لاتے تھے۔ (لہٰذا ہم ذمہ دار نہیں ہمیں الزام نہ دو) اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا ہی نہیں بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے۔ سو ہم سب پر ہی ہمارے رب کی یہ (ازلی) بات تحقیق ہو چکی ہے کہ ہم سب کو (عذاب کا) مزہ چکھنا ہے ہم نے تم کو بہکایا (کہ) ہم خود بھی گمراہ تھے۔ تو وہ سب کے سب اس روز عذاب میں بھی شریک رہیں گے۔'' (الصافات: ۲۲' ۳۳)

کتنا افسوسناک اور حسرتناک منظر ہے کہ معبودین نے بھی مصیبت کی اس سخت ترین گھڑی میں جواب دے کر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور شاید ان کے ذہن میں اپنے لیڈروں شیاطین اور انسانوں سے کچھ توقعات کی کرن باقی ہوگی تو انہوں نے بھی نہ صرف یہ کہ مدد سے انکار کیا بلکہ الٹا ان کو حماقت کا مرتکب قرار دیدیا کہ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل وانصاف کی

حد سے نکل گئے کہ بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکاوے میں آگئے اگر عقل وفہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے، رہے ہم تو ظاہر ہے کہ ہم خود گمراہ تھے ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہوسکتی ہے ہم نے وہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا لیکن تم کو کس مصیبت نے گھیرا تھا کہ ہمارے چکموں میں آگئے۔ حاصل یہ کہ جوق درجوق جماعتیں دوزخ کی طرف رواں دواں ہونگی۔

ادھر اہل ایمان میں بھی بعض لوگ ایسے ہونگے جو آگ کے مستحق ہونگے گو کہ ان کا درجہ دوزخ میں بہ نسبت کفار کے کافی کم عذاب کا ہوگا مگر پھر بھی آگ تو آگ ہوتی ہے اس کا تو تصور بھی ہولناک ہے چہ جائے کہ اس میں داخلہ آسان ہو۔

اہم تنبیہ:۔

حساب شروع ہونے کے بعد بیک وقت سب لوگوں کا حساب جاری ہوگا یہ نہ سمجھا جائے کہ ایک کا احتساب دوسرے کے حساب کتاب سے مانع ہوگا کیونکہ اللہ عزوجل اس سے منزہ ہے کہ کوئی چیز اس کو دوسرے کام سے روک دے لہٰذا بیک وقت یہ سب کام جاری ہونگے اور مع ہذا کسی مانع یا غلطی اور خطا کا امکان نہیں۔

اس لئے یہاں کفار سے بھی بات جاری ہوگی، ادھر ایمان والوں سے بھی کلام ہو رہا ہوگا اعمال کا وزن بھی کیا جارہا ہوگا اور الگ الگ اور گروہ در گروہ سوال وجواب کا سلسلہ بھی چل رہا ہوگا۔

اگر ایک جانب کفار وفساق انتہائی اندوہناک صورتحال سے دوچار ہونگے تو

دوسری طرف ایماندار اور اللہ کے نیک بندے انتہائی خوشگوار موڈ میں ہونگے وہ بے حد مسرور اور تروتازہ دکھائی دیں گے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾

''بہت سے چہرے اس روز ذلیل (اور) مصیبت جھیلتے (اور مصیبت جھیلنے سے) خستہ ہونگے۔'' (الغاشیۃ: ۲،۳)

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾

''بہت سے چہرے اس روز بارونق (اور) اپنے (نیک) کاموں کی بدولت خوش ہونگے۔'' (الغاشیۃ: ۸،۹)

علاوہ ازیں اس روز اہل ایمان والاتقان کو جو نعمتیں دی جائیں گی ان میں سب سے بڑی نعمت اللہ عزوجل کا دیدار ہوگا جس کے مساوی کوئی نعمت نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی متبادل ہے۔ اللہ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ اللہ کریم ہے وہ غیر مستحق کو بھی دیتا ہے یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ دنیا میں بھی جب اس منظر کا (نہ سمجھنے کے باوجود) خیال آتا ہے تو شوق ملاقات بڑھ جاتا ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَن يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾

''بہت سے چہرے اس روز بارونق ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے (یہ تو مؤمنین کا حال ہوا) اور بہت سے چہرے اس روز بدرونق ہونگے (اور وہ لوگ) خیال کر رہے ہونگے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا۔'' (القیامۃ: ۲۲،۲۳،۲۴،۲۵)

حسرت پر حسرت اور ہزیمت پر ہزیمت یہ ہے کفار و فساق کا حال کہ جن

لوگوں کو وہ دنیا میں بے وقعت سمجھتے تھے ان کو لغو قرار دیتے تھے ان کا زعم یہ تھا کہ اللہ کے یہاں ان لوگوں کی کوئی قدر نہیں کوئی منزلت و مقام نہیں ان کا مشن ایک باطل کھیل ہے ان کی تعلیمات کو تلبیسات کہا کرتے تھے ان کے عمل سے نہ صرف گریزاں رہتے بلکہ اسے بے معنی و بے حقیقت گردانا کرتے تھے آج وہ مشک کے ٹیلوں' عرش کے سایوں اور اونچے اونچے منبروں پر بڑے اعزاز سے بٹھا دیئے گئے ہیں' ان کے چہرے بارونق' تروتازہ ہیں' ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے' ان کی آنکھیں اللہ عزوجل کے دیدار سے لطف اندوز ہو رہی ہیں' ان کی نگاہیں تیز اور طاقتور بنا دی گئی ہیں' ان کو جنت کے میوے اور پھل دیئے جا رہے ہیں' حوضِ کوثر سے پانی دیا جا رہا ہے' جنت کو قریب لا کر اس کی ٹھنڈی ہوائیں ان کے لئے محشر کی حرارت سے آڑ بن رہی ہیں' جنت کی خوشبو ان کو فساق کے پسینے کی بدبو سے پناہ ثابت ہو رہی ہے' ان کو عرش کے دائیں طرف ٹھہرا کر دوزخ کی تپش اور دھوئیں کی اذیت سے محفوظ کیا گیا ہے ان کو یقین ہو چلا ہے کہ دنیا کی تکالیف اب پھر کبھی واپس نہیں آئیں گی اب ہمیں اپنے اصلی اور دائمی گھروں میں جانا ہے جہاں حور عین یعنی گوری گوری موٹی موٹی سیاہ و سفید آنکھوں والی لڑکیاں شدت سے ہماری منتظر ہیں وہاں ہر قسم کا سامان عیش' متاع لطف اور تمام خواہشات کے سارے اسباب موجود ہیں بس ایک پروانہ ملنے کی دیر ہے۔

اس کے برعکس متکبرین کی جماعتیں زنجیروں میں جکڑی جا رہی ہیں اللہ نے نہ صرف یہ کہ ان کو اپنے دیدار سے محروم کر دیا بلکہ اپنے غضب کا نشانہ بنا کر تمام نعمتوں سے دور رکھا ان کو ذلیل کر دیا اور ہر طرح کی سہولت ان کے لئے ممنوع اور حرام کر دی۔

قیامت کے روز سب سے پہلا فیصلہ ریا کار کے خلاف ہوگا:۔

اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ اور عقیدہ ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ جنت میں ضرور جائے گا خواہ اولاً ہو بایں طور کہ اللہ عزوجل اس کو معاف کردے اور اس کے تمام گناہوں سے درگذر فرمائے یا اخیراً ہو یعنی اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہو کوئی مؤمن ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے صرف کفار ہی ہونگے جو گناہگار اہل ایمان دوزخ میں داخل ہونگے وہ بالآخر چھٹکارہ پالیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جو سزا دی جائے گی وہ میدان محشر میں اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے پہلے ہوگی کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ انہیں جنت میں داخل کرنے کے بعد عذاب کے لئے نکالا جائے کہ جنت دارالسلام ہے وہاں جانے کے بعد کوئی سزا' کوئی گھبراہٹ اور کوئی خوف نہیں ہوگا۔لہٰذا گناہوں کی صورت میں پہلے ان کو جہنم روانہ کردیا جائے گا پھر حسب جرائم وہاں رکھنے کے بعد اس سے خارج کردیا جائے گا۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ جنت صاف ستھرا مقام ہے اس میں ناپاک چیز کا داخلہ ممنوع ہے دوسری طرف گناہ انتہائی گندہ عمل ہے گناہگار اپنے ان اعمال بد کی نحوست کی بناء پر ناپاک ہوگیا ہے اسلئے جہنم کی آگ سے اس کو صاف کر کے جنت کا اہل بنادیا جاتا ہے جبکہ کافر سراپا ناپاک ہوگیا ہے' اگرچہ عندالحنفیہ اس کی ذات نجس نہیں مگر دیگر ائمہ کرام کے نزدیک اس کی ذات کتے اور خنزیر کی طرح نجس ہے تاہم یہ

اختلاف دنیوی حکم کے مطابق ہے آخرت میں وہ نجس ہی ہوگا اس لئے وہ ہمیشہ جہنم میں رہتے ہوئے کبھی پاک نہ ہوگا۔لہٰذا میدان محشر میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہونگے جو اصلاً تو مؤمن ہونگے لیکن اپنے گناہوں کی وجہ سے ان کو جنت میں فوری داخلہ نصیب نہ ہوگا وہ محشر میں بھی تکلیف جھیلتے ہونگے کہ یہ اس قابل نہ ہونگے کہ ان کو وہ سہولیات میسر ہوں جو صلحاء کو نصیب ہوئی ہیں۔اس بارے میں سب سے پہلا فیصلہ ان تین اشخاص کے خلاف ہوگا جن کا عمل نیک بظاہر تو بہت بڑا اور زیادہ ہوگا مگر انہوں نے اپنے اعمال ریاء اور دکھاوے اور شہرت حاصل کرنے کے شوق اور فساد نیت کی بناء پر ضائع کردیئے ہوں گے یہ اس خوش فہمی میں تھے کہ ہمارا نامہ اعمال نیکیوں سے بھرا ہوگا جبکہ حقیقت کچھ اور تھی وہ اللہ کو راضی کرنے کی بجائے کسی اور مقصد کے لئے یہ سب کچھ کیا کرتے تھے اس لئے وہ اعمال جرائم ثابت ہوئے چنانچہ صحیح مسلم (ص:۱۴۰ ج:۲) پر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن فیصلہ ہوگا ایک ایسا آدمی ہوگا جو شہید کیا گیا ہوگا یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا پھر خداوند تعالیٰ اس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں؟ وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید کردیا گیا اللہ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے جہاد میں حصہ اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں سو (دنیا میں) تیری بہادری مشہور ہوگئی پھر اس کے لئے حکم خداوندی ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا اس کو بھی خدائے ذوالجلال کے سامنے پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اسکو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا خداوندا! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کے لئے قرآن میں مشغول رہا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی تو نے تو علم دین اس لئے حاصل کیا تھا تا کہ تجھ کو (دنیا میں) عالم کہا جائے اور قرآن تو اس لئے پڑھتا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو تجھے قاری کہا گیا پھر اس کیلئے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں خوب دولت دی ہوگی اور ہر طرح کا مال اس کو عطا کیا ہوگا وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا وہ بھی سب کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ عرض کرے گا خداوندا! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال ان سب ہی میں خرچ کیا اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ بولا درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لئے کیا تھا کہ (دنیا میں) تو سخی مشہور ہو۔ سو تیری فیاضی کے چرچے خوب ہوئے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اور اس روایت کے ترمذی والے طریق میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث کے بیان کرنے سے پہلے تین بار بے ہوش ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کے متلق بھی ترمذی میں ہے کہ اس حدیث کے سننے سے وہ روئے اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

میرے بھائی! اپنے عمل کو ضائع ہونے سے بچانے کی پوری کوشش کیا کرو ریا' حب جاہ اور بدنیتی کے جملہ راستوں سے دور رہا کرو شیطان بڑا مکار ہے اول تو وہ کسی کو عمل کرنے نہیں دیتا اگر کوئی ہمت کر لے تو اس کا عمل خراب کر دیتا ہے اس لئے اپنے عمل پر کبھی غرور نہیں کرنا چاہیے یہ دنیا دار العمل کے ساتھ ساتھ دار الغرور (دھوکہ کی جگہ) بھی ہے۔ بس عمل کرتے رہو پھر پیچھے نہ دیکھو اس کو اللہ کے حوالے کر کے آگے دیکھو ہمت بڑھاتے رہو اور نیت سدھارتے رہو کسی بھی لمحے پر غفلت تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔

قیامت کے دن مفلس کون ہوگا؟

ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مفلس' ہماری اصطلاح میں وہ ہے جس کے پاس درہم اور متاع خانگی نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفلس میری امت میں وہ ہے جو قیامت کے روز نماز روزہ لے کر اس صورت میں آئے گا کہ کسی کو برا بھلا کہا ہوگا' کسی کو گالی دی ہوگی' کسی کا مال کھایا ہوگا' کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا پس (مظلومین

میں سے) یہ اس کی نیکیوں میں سے بطور بدلہ لے لے گا اور وہ اس کی نیکیوں میں سے بدلہ میں لے لے گا پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں قبل اس سے کہ اس کے ظلموں کا بدلہ پورا ہو تو (بقدر بدلہ) مظلوموں کے گناہوں میں سے لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے پھر اسے (ان ناگہانی اور ناکردہ گناہوں کی وجہ سے) دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (باب ما جاء فی شان الحساب والقصاص ج:۲)

یہ بڑا ہی قابل افسوس مقام ہوگا کہ آدمی نہ صرف اپنی نیکیوں سے محروم ہوگا بلکہ اس کی عبادات ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جن سے اس کے دنیا میں جھگڑے ہوتے تھے یہ ان کو گالیاں دیتا تھا' ان کو مارتا تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا بلکہ صد افسوس کی بات یہ ہوگی کہ ان کے گناہ اس کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے اور یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنمی ٹھہرے گا۔

اسی قصاص اور بدلے کے اصول سے گھبرا کر قریبی عزیز ورشتہ دار بھی ایک دوسرے سے منہ چھپانے کی کوشش کریں گے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾
لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

"جس روز بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے ان میں سے ہر ایک شخص کو ایسا مشغلہ فکر ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔"

(عبس: ۳۴ تا ۳۷)

ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عکرمہؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک

آدمی اپنی بیوی سے ملے گا تو اس سے پوچھے گا کہ میں تیرا شوہر تھا؟ وہ کہے گی بہت اچھا میاں تھا اور اس کی تعریف خوب کرے گی۔ وہ کہے گا مجھے تم سے صرف ایک نیکی کا سوال ہے مجھے ہدیہ کر دیجئے شاید کہ اس کی بدولت میں اس مصیبت سے بچ سکوں جو تم دیکھ رہی ہو وہ کہے گی کہ مطالبہ تو تمہارا بہت ہی چھوٹا سا ہے لیکن میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتی میں بھی اسی طرح (نقصان سے) ڈرتی ہو جس طرح تم ڈرتے ہو۔

فرمایا کہ آدمی اپنے بیٹے سے ملے گا اس سے چمٹے گا پھر اس سے کہے گا اے بیٹے میں تیرا کیسا (مشفق) باپ تھا؟ وہ اس کی تعریف کرے گا یہ کہے گا میرے بیٹے مجھے تیری نیکیوں میں سے بقدر ایک ذرہ کے درکار ہے تا کہ میں اس بلا سے نجات پالوں جسے تم دیکھ رہے ہو تو اس کا بیٹا کہے گا اے ابو آپ نے کتنا آسان مطالبہ رکھا لیکن میں خود بھی اسی طرح ڈرتا ہوں جیسے آپ خوف زدہ ہیں اس لئے میں آپ کو کوئی نیکی نہیں دے سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر ص:۳۷۴ ج:۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نیکیوں کی قدر ہر چیز سے زیادہ ہوگی وزن اعمال اتنی باریک بینی سے کیا جائے گا کہ ایک نیکی بھی فیصلہ کن ثابت ہو سکے گی۔

تاہم اعمال کا وزن اخلاص وایمان کی نسبت سے ہوگا دیکھنے میں کتنا ہی بڑا عمل ہو مگر اس میں اخلاص کی روح نہ ہو تو وہ اللہ کے ہاں کچھ وزن نہیں رکھتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ وہاں کفار کے اعمال کی کوئی حیثیت وحقیقت نہ ہوگی اللہ فرماتا ہے۔

فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ (کہف:۱۰۵)

''ہم قیامت کے دن ان کے لئے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

یہی حال ہوگا منافق کے اعمال کا۔ اسی ضابطے کے تحت کبھی بہت موٹا آدمی تولا جائے گا مگر وہ بہت ہی ہلکا نکلے گا اس کے برعکس ایک صاحب ایمان کی صرف ایک پرچی جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوگا ننانوے رجسٹروں پر بھاری ثابت ہوگی یہ سب رجسٹر گناہوں سے بھرے ہونگے۔

مشترک سوالات:۔

پانچ سوالات ایسے ہیں جو سب بنی آدم سے کئے جائیں گے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن ابن آدم کے دونوں قدم رب کے پاس سے نہ ہٹیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزیں نہ پوچھی جائیں۔ (۱) اس کی عمر کی بابت کہ کس (عمل) میں صرف کی۔ (۲) اسکی جوانی کے بارے میں کہ کس میں خرچ کی۔ (۳) اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا۔ (۴) اور (مال) کس کام میں لگایا۔ (۵) اور اپنے علم کے مطابق کیا (کتنا) عمل کیا؟

ترمذی ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جسمانی صلاحیت کس میں لگائی؟ (باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص ج:۲)

میرے بھائی! یہ سوالات بہت اہم ہیں ان کو نظر انداز کرنا موجب کرب وغم ہے عقلمندی اور ہوشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ایک نیکی کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے کسی نیکی کے کام کو حقیر نہ سمجھا جائے۔

جس طرح کہ دولت مند لوگ ایک ایک پائی کا حساب کرکے بے حساب مال جمع کر لیتے ہیں ایک ایک روپیہ جمع کرنے کی نیت سے کماتے ہیں اسی طرح بلکہ

اس سے بڑھ کر نیکیوں کی فکر کرنی چاہیے ہوسکتا ہے کہ کل ایک ہی نیکی کم پڑ جائے اور پھر دینے کے لئے کوئی تیار نہ ہو یہ نیکی نہ وہاں کمائی جاسکے گی اور نہ اس کے لئے دنیا میں آنا ممکن ہوگا۔

اس حدیث میں انسانی زندگی کے اہم عناصر کا ذکر ہے یعنی وقت' مال اور علم وجسم۔ بلاشبہ یہ چاروں اللہ عزوجل کی بڑی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کا شکر اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ ان کو ان مدوں اور مصارف میں خرچ کیا جائے جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہو اللہ کی مرضی ان کو مقتضی ہو اپنی مرضی پر اللہ کی مرضی کو مقدم رکھا جائے اپنی چاہت اور خواہش کو بالائے طاق رکھ کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے جب اللہ خوش ہوگا تو وہ تمہیں بھی خوش کردے گا جب وہ راضی ہوجائے گا تو تمہیں بھی راضی کردے گا۔

اور رضامندی واطمینان کا معیار بھی یہی ہے کہ اگر آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہے یا نہیں؟ تو اپنے گریبان میں جھانکئے اگر آپ اللہ کے احکامات پر خوش ہیں اور اللہ سے راضی ہیں اس کے فیصلوں سے مطمئن ہیں اس کے احکامات خواہ تشریعی ہوں یا تکوینی ان کو پامال نہیں کرتے' تو سمجھ لیجیے کہ وہ بھی آپ سے راضی ہے اگر آپ اللہ سے تعلق جوڑنا چاہتے ہیں اور قیامت کی سرخ روئی کے خواہشمند ہیں تو اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اللہ کو راضی کرو۔ (وفقنی اللّٰہ تعالیٰ وایاك) اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اجمالی نقشہ:۔

میدان محشر کا پورا نقشہ کھینچنا اور تمام روایات کو جمع کرنا بڑا پیچیدہ اور وقت طلب کام ہے' اس کی پوری تفصیل کے لئے بڑی بڑی کتابیں درکار ہیں۔ حسب التزام کوشش یہ کی گئی ہے کہ مختصر انداز میں عالم معاد اور حشر اجساد کا اس طرح خاکہ پیش کیا جائے کہ اس سے عالم آخرت کی منظر کشی اجمالاً ہو سکے پھر اس پر تفاصیل منطبق کرنا آسان تر ہو جاتا ہے۔

اس لئے یہاں ان روایات کو لانے کی کوشش کی گئی ہے جن سے مجموعی صورتحال کے معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل اولین وآخرین کو میدان محشر میں جمع کر کے ان کے گروہ بنا دے گا اچھے اور برے ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں گے جنت اور دوزخ کو الگ الگ سمتوں میں قریب کر دیا جائے گا اور پھر عدالت عالیہ میں فیصلے شروع ہو جائیں گے پہلے جماعتی شکل میں لوگ پیش ہونگے آگے آگے ان کے قائدین ہونگے اور پیچھے پیچھے ان کے پیرو ہونگے' جس پیشوا نے ان کی اچھی راہنمائی کی ہوگی وہ انتہائی مسرور ہوں گے اور جن لیڈروں نے ان کو گمراہ کیا ہوگا وہ رنجیدہ اور غمگین ہوں گے جیسے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾

''جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ سو جس کو ملا اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا لکھا اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک تاگے برابر اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا سو وہ پچھلے جہاں میں بھی اندھا رہے گا اور راستے سے بہت دور پڑا ہوا۔''

(بنی اسرائیل:۷۱،۷۲)

یعنی جس نے دنیا میں راہ نجات نہیں دیکھی ہوگی وہ اس سے اندھا رہا ہوگا یا اس پر چلا نہیں ہوگا وہ آخرت میں منزل نجات نہیں دیکھ پائے گا اور نہ اس تک پہنچ سکے گا۔

میدان محشر میں راستے دو ہی ہونگے ایک جنت کا دوسرا دوزخ کا۔ انہی راستوں پر منقسم ہو کر اہل محشر کو جانا ہوگا یہ حقیقت اب ان کے سامنے مکمل طور پر کھل چکی ہوگی صرف آخری فیصلے کا انتظار ہوگا۔

جماعتی پیشی کے بعد انفرادی پیشی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا فرداً فرداً ہر آدمی کو بلا کر اس کا حساب ہوگا صلحاء اور اتقیاء کے ساتھ نرمی کا سلوک کر کے ان کے اعمال نامے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے' جبکہ کفار اور فجار سے سوال وحساب میں سختی کر کے ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور کسی کو پیچھے سے بائیں ہاتھ میں تھما دیئے جائیں گے۔

اب ہر ایک کا فیصلہ اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگا جس کا اسے بآسانی علم ہو جائے گا جن کو اعمال نامے داہنے ہاتھ میں ملیں گے وہ جنت کی خوشخبری دیکھ کر اور پڑھ کر خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے بڑے سرور وانبساط سے اپنا اعمال نامہ

پڑھیں گے اور دوسروں کو کہیں گے "ھاؤم اقرء وا کتابیہ" "لو میرا نامہ اعمال پڑھو"۔ (الحاقۃ:۱۹) وہ رشتہ داروں اور دوستوں سے مل مل کر خوشی کا اظہار کرے گا مگر جس شخص کو اس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کی مایوسی اور بے تابی و بے چینی کا اندازہ لگانا دنیا میں مشکل ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِشِمَالِهِۦ فَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِى لَمْ أُوتَ كِتَٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يَٰلَيْتَهَا كَانَتِ ٱلْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ أَغْنَىٰ عَنِّى مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّى سُلْطَٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ ٱلْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِى سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَٱسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾ إِنَّهُۥ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ ٱلْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ ٱلْيَوْمَ هَٰهُنَا حَمِيمٌ ﴿٣٥﴾ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿٣٦﴾ لَّا يَأْكُلُهُۥٓ إِلَّا ٱلْخَٰطِـُٔونَ ﴿٣٧﴾

"اور جس کو نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ (نہایت حسرت سے) کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ موت (اولی) ہی خاتمہ کر چکتی (افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میری جاہ (بھی) مجھ سے چھن گئی (یعنی دنیا کا سب کچھ دنیا ہی میں رہ گیا) (ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑ لو اور اس کے طوق پہنا دو پھر دوزخ میں اس کو داخل کر دو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیائش ستر گز ہے (اس گز کی مقدار معلوم نہیں) اس کو جکڑ دو یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا اور وہ (خود تو کسی کو کیا دیتا) اوروں کو (بھی) غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا (اس لیے مستحق عذاب ہوا) سو آج

اس شخص کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے جس کو سوائے بڑے گناہ گاروں کے کوئی نہ کھائے گا۔" (الحاقۃ: ۲۵۔۳۷)

سب سے پہلے امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ کا حساب مکمل ہوگا ان میں جو اہل توحید ہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی بدولت ان کی بڑی تعداد عذاب نار سے بچ جائے گی دیگر علماء وصلحاء وغیرہم بھی اپنے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی سفارشات کریں گے اس طرح ایک خلقت سفارشات کے ذریعے مستحق جنت ٹھہرے گی اور کچھ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔

پھر دیگر امتوں کا حساب مکمل ہوجائے گا لہٰذا دیگر امتوں کے مقابلے میں امت محمدیہ آخری امت ہونے کے باوجود سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی والحمدللہ علی ذالک۔

فریب کاری کی سب سے بڑی اور کڑوی مثال:۔

جس طرح دنیا کے ظاہر وباطن میں فرق ہے اسی طرح دنیوی تعلقات دوستی اور توقعات میں بھی یہ حقیقت مضمر ہے کہ اس قسم کی وابستگیاں بھی دیرپا ثابت نہیں ہوتیں۔ جب دنیا رہ جائے تو دنیوی معاملات واثرات بھی مٹ جاتے ہیں ایسی چیزیں آخرت میں کارآمد نہیں ہوتیں بلکہ معاملہ وہاں برعکس ہوجاتا ہے جو تعلقات یہاں باعث افتخار تھے وہ وہاں موجب حسرت بنیں گے اس ضمن میں یہاں دو مثالیں پیش ہیں ایک شیطانی تعلق اور ترغیبات کی دوسری انسانی تعلقات کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَالَ الشَّيْطَٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَٰنٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم ۖ مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾

''اور جب (قیامت میں) تمام مقدمات کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان (جواب میں) کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کئے تھے اور میں نے بھی تم سے کچھ وعدے کئے تھے سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف (جھوٹے) کئے تھے اور میرا تم پر اور تو کچھ زور چلتا نہ تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا سو تم نے (باختیار خود) میرا کہنا مان لیا تو تم مجھ پر (ساری) ملامت مت کرو اور (زیادہ) ملامت اپنے آپ کو کرو (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے حق ہونے اور میرے بیانات اور وعدوں کے بطلان پر دلائل قطعیہ قائم تھے مگر اس کے باوجود تم نے خدا کے وعدوں کو غلط اور میرے وعدوں کو صحیح سمجھا تو تم اپنے ہاتھوں خود ڈوبے) نہ میں تمہارا مددگار (ہو سکتا) ہوں اور نہ تم میرے مددگار (ہو سکتے) ہو میں خود (تمہارے) اس (فعل) سے بیزار ہوں کہ تم اس سے قبل (دنیا میں) مجھ کو (خدا کا) شریک قرار دیتے تھے یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے۔'' (ابراہیم:۲۲)

تفسیر عثمانی میں ہے۔

''یعنی حساب کتاب کے بعد جب جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے گا اس وقت کفار (یعنی دوزخی لوگ)

ابلیس لعین کو الزام دیں گے کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کرایا اب کوئی تدبیر مثلاً سفارش وغیرہ کا انتظام کرتا کہ عذاب الٰہی سے رہائی ملے تب ابلیس ان کے سامنے لیکچر دے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ بے شک حق تعالیٰ نے صادق القول پیغمبروں کے توسط سے ثواب اور عقاب اور دوزخ و جنت کے متعلق سچے وعدے کئے تھے جن کی سچائی دنیا میں دلائل و براہین سے ثابت تھی اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے میں نے اس کے بالمقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کئے جن کا جھوٹ ہونا وہاں بھی ادنیٰ فکر و تامل سے واضح ہو سکتا تھا اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے میرے پاس نہ حجت و برہان کی قوت تھی نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے ماننے پر مجبور کر دیتا بلاشبہ میں نے بدی کی تحریک کی اور تم کو اپنے مشن کی طرف بلایا تم جھپٹ کر خوشی سے آئے اور میں نے جدھر شہ دی ادھر ہی اپنی رضا و رغبت سے چل پڑے اگر میں نے دھوکا کیا تھا تو ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سنی نہ دعوے کو پرکھا آنکھیں بند کر کے پیچھے ہو لئے انصاف یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو میرا جرم دھوکا بجائے خود رہا لیکن مجھے مجرم گردان کر تم کیسے بری ہو سکتے ہو آج تم کو مدد دینا تو درکنار خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے موافق سزا میں پکڑے ہوئے ہیں کوئی ایک دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بہتوں نے اس کی باتوں کو اس طرح مانا اور اس کے احکام کے سامنے اس طرح سر تسلیم و انقیاد خم کیا جو

خدائی احکام کے سامنے کرنا چاہئے تھا)۔ انتہی

اس سے زیادہ قابلِ افسوس ان مسلمانوں کا حال ہے جو اپنے ظاہر اور کھلے دشمن کے نقش قدم پر چلتے ہیں اگر کفار شیطان کے فریب میں آتے ہیں تو یہ فریب بنسبت انسانی دھوکہ کے باریک ہے کہ شیطان ان کو نظر نہیں آتا مگر جو لوگ آخرت پر ایمان کے دعویدار ہیں اور پھر ان لوگوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں جن کا دعوی سو فیصد جھوٹ، فریب اور غلط ہے معلوم نہیں کہ یہ کس زعم کے تحت ایسا کرتے ہیں اسی طرح وہ بے چارے بھی جو اپنے لیڈروں کے خوش افزا وعدوں اور خوش کن باتوں میں آکر اپنی آخرت کی تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں خود کرتے ہیں اس لئے قرآن نے ان لوگوں کا آپس کا مکالمہ بھی ذکر فرمایا ہے اور یہی وہ دوسری مثال ہے۔

ارشاد ہوا۔

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَٰٓؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدَىٰنَا اللَّهُ لَهَدَيْنَٰكُمْ ۖ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ أَجَزِعْنَآ أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ ﴿٢١﴾

"اور خدا کے سامنے سب پیش ہونگے پھر چھوٹے درجے کے لوگ (یعنی عوام وتبعین) بڑے درجے کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے تو کیا تم خدا کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو؟ وہ (جواب میں) کہیں گے کہ اگر ہم کو کوئی راہ بتلاتا تو ہم تم کو بھی وہ راہ بتلا دیتے۔ (اور اب تو) ہم سب کے حق میں (دونوں صورتیں) برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں یا صبر کریں ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔" (ابراہیم:۲۱)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ دوزخیوں کی ہر امید پر پانی پھر جائے گا ان کو نجات کی جہاں بھی کوئی کرن نظر آتی تھی اس کا دروازہ انہوں نے کھٹکھٹایا لیکن جہاں بھی دستک دی وہاں سے الٹے پاؤں ذلیل ہو کر لوٹنا پڑا بالآخران کو کہنا پڑا کہ اگر اب کی بار ہم دنیا میں گئے تو ہم ان کی پیروی ہرگز نہیں کریں گے مگر یہ صرف ایک بات ہوگی جو کہیں گے صرف خواہش وتمنا ہوگی جو کریں گے اس کے پوری ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ارشاد ہوا۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

''جبکہ بیزار ہو جائیں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے جو ان کے پیرو ہوئے تھے۔اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب تعلقات اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا اگر ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے اسی طرح پر اللہ دکھائے گا ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں نار (آگ) سے۔'' (البقرہ:۱۶۶'۱۶۷)

اعضاء کی گواہی:۔

آخری تدبیر جو ان کی سمجھ میں آئے گی یہ وہ بھی کریں گے مگر وہ ہوا میں چلائے ہوئے تیر کی طرح ان پر ہی آ گرے گی۔

جب یہ دیکھ لیں گے کہ ایمان والوں کی نجات ہوئی اور بہتوں کے گناہ معاف ہوگئے ان کو جنت کا پروانہ مل گیا ہماری خامی یہ ہے کہ ہم نے کفر وشرک کیا گناہ کیے اس لئے ہمیں آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا آ یئے ہم اپنے کفر وفسق اور جرائم کا انکار کر دیتے ہیں۔شاید یہ آخری حیلہ کامیاب ہو جائے چنانچہ یہ کہیں گے اے رب کیا تو نے یہ نہیں کہا ہے کہ میں تم پر ظلم نہیں کروں گا اللہ فرمائے گا کیوں نہیں۔اس پر یہ کہیں گے کہ ہم نے تو کوئی کفر و جرم نہیں کیا ہے پھر یہ سب کچھ ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے فرشتے گواہی دیں گے تو یہ لوگ انکار کریں گے کہ ہم اس وقت تک نہیں مانتے جب تک ہمارے اندر سے شہادت ہم پر نہیں دی جاتی تب اللہ عزوجل ان کے اعضا کو گواہی دینے کا حکم دیں گے اس کے ساتھ وہ گواہی پیش کریں گے۔ارشاد ہوا۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾

''اور جس دن اللہ کے دشمن جمع ہونگے دوزخ پر پھر وہ روکے جائیں گے۔(تاکہ بقیہ بھی آجائیں) یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آجائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے اور (اس وقت) وہ لوگ (متعجب ہوکر) اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ (اعضاء) جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے گویائی دی جس نے ہر (گویا) چیز کو گویائی دی اور اسی نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور اسی کے

پاس لائے گئے ہو۔" (حم سجدہ ۱۹۔۲۱)

روبہ منزل:۔

حساب کتاب کا عمل مکمل ہو گیا میدان محشر جو ایک عارضی قیام گاہ اور حوالات کی حیثیت رکھتا ہے اب ختم ہونے کو ہے آگ کا شعلہ آ کر اسے شعلۂ آگ میں تبدیل کرنے والا ہے۔ صرف انتظار اس بات کا ہے کہ اہل ایمان جو اہل جنت ہیں یہاں سے کوچ کریں وہ اپنے عمدہ باغات اور مکانات میں پہنچیں وہ اپنے اہل خانہ سے ملیں مگر ان سے پہلے دوزخیوں کو جہنم میں دھکیلا جائے گا چنانچہ لوگوں کی جماعت بندی کر دی جائے گی پہلے ان کفار کو جہنم کی جانب روانہ کر دیا جائے گا جو کسی ملت سماویہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے پھر اہل کتاب پھر منافقین جبکہ مخلصین بخیر و عافیت جہنم کے اوپر سے گذر کر منزل نجات تک عمدہ باغات میں پہنچ جائیں۔ اعلان ہوگا کہ جو لوگ جس چیز کی عبادت کرتے تھے وہ اس کی طرف چلے جائیں چنانچہ تمام مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کی طرف (جہنم میں) چلے جائیں گے۔ اہل کتاب اور اللہ کو ماننے والے رہ جائیں گے' اس کے ساتھ جہنم کو سراب کی مانند بنا کر پیش کر دیا جائے گا اور یہود سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کے بیٹے عزیر کی' ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو اللہ کی کوئی بیوی یا بیٹا نہیں سو کیا چاہتے ہو وہ کہیں گے کہ ہم چاہتے کہ آپ ہمیں پانی پینے کو دیں' کہا جائے گا کہ پیو پھر ان کو جہنم میں (جو بظاہر پانی کا دریا لگ رہا ہوگا) پھینکا جائے گا پھر نصاریٰ سے پوچھا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے ہم مسیح ابن اللہ کی' ان

سے بھی کہا جائے گا تم جھوٹ بولتے ہو اللہ کی کوئی اہلیہ اور بیٹا نہیں تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے پانی تو ان سے بھی کہا جائے گا پیو پھر ان کو بھی جہنم میں گرا دیا جائے گا۔

اس کے بعد صرف مخلصین اور منافقین باقی رہ جائیں گے، باقی سب چلے جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا بَلَى وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۷۱﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۷۲﴾

"اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جائیں گے (یعنی ہر مذہب والے الگ الگ) یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو (اس وقت) اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ (فرشتے بطور ملامت) کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے؟ کافر کہیں گے کہ ہاں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا (لو خود ہی اقرار کرلیا پھر ان سے) کہا جائے گا (یعنی فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو غرض (خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کو برا ٹھکانا ہے۔" (زمر: ۷۱-۷۲)

چنانچہ اس حکم کے بعد وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور اسکے ساتھ ہی دروازے بند کردیئے جائیں گے۔

اعاذنا اللّٰہ منہا ومن کل کرب یوم الآخرۃ اللّٰھم قناعذاب القبر وقناعذاب الحشر وقناعذاب النار یاکریم یاغفار وادخلنا الجنۃ مع الابرار وتجوز عن عیوبنا یاستار یاستار یاستار اللّٰھم اجرنامن النار اللّٰھم اجرنامن النار اللّٰھم اجرنامن النار۔

پل صراط اور سجدہ:۔

اب سوائے منافقین کے کوئی کافر ومشرک میدان محشر میں نہ بچا ہوگا' منافقین کا رویہ چونکہ دنیا میں مسلمانوں پر مشتبہ رہا تھا' اور وہ بزعم خود اپنے اس مکروفریب کو کامیاب چال قرار دیتے تھے اس لئے ان کے ساتھ قیامت میں کچھ ایسا سلوک ہوگا کہ اخیر وقت تک یہ سمجھیں گے کہ ہمارا معاملہ ابھی تک مبہم ہے۔ یہ دنیا کی طرح میدان محشر میں بھی قسمیں کھائیں گے خود کو مخلص گردانیں گے اور بڑے بڑے دعوے کریں گے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ منافقین کا وجود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک محدود تھا اب نفاق باقی نہیں رہا تو یہ تاثر بالکل غلط ہے۔ آج کے دور میں منافقین کی تعداد اس مبارک دور سے ہزار ہا درجے زیادہ ہے۔ آج ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کو ہر طرح کے خطرے سے حفاظت دی جائے تو وہ عبداللہ ابن ابی سے زیادہ زہر اگلنے لگیں' اسلام اور اس کے زرین قواعد

خصوصا وہ امور جو تہذیب مغرب سے متصادم ہیں یا جن کو اہل مغرب اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ان کے لئے ہر گز قابل قبول نہیں بلکہ یہ ایسے احکام کو اپنے لئے باعث شرم و خفت سمجھتے ہیں۔

بہر حال جب سب لوگ چلے جائیں گے اللہ عزوجل ان پر تجلی فرمائیں گے جیسے کہ اس کی شان کے مطابق ہے وہ ان سے فرمائے گا "ما یحبسکم وقد ذھب الناس؟" باقی لوگ تو چلے گئے تم کو کس چیز نے روکا ہے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہم اپنے رب کا انتظار کر رہے ہیں۔

الغرض یہ اللہ عزوجل کو دیکھیں گے اور پھر پہچان لیں گے تو تمام مؤمنین ومؤمنات سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو شخص دنیا میں ریاء کاری سے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر نہیں مڑے گی تختہ سی ہو کر رہ جائے گی اسی کے ذریعہ فرق واضح ہو جائے گا کہ کون مخلص ہے اور کون منافق۔

اس کے بعد پل (پل صراط) کو لاکر دوزخ کے اوپر عین درمیان میں رکھ دیا جائے گا جس کی حالت کچھ اس طرح ہوگی کہ اس پر پھسلن ہوگی اس میں الٹی سیدھی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہوں گی تیز نوک دار کانٹے ہوں گے اور انتہائی باریک ہوگا۔

اشکال:۔

عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ اس قدر بھرپور مشکلات والا پل کیسے قابل عبور ہو سکتا ہے؟ اس پر تو جانا ممکنات میں سے نہیں؟

حل:۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ جس طرح ہمارے تمام اعمال عالم مثال میں مجسم ہوجاتے ہیں وہاں پر عمل کو کسی نہ کسی طرح جسم یا شکل ملتی ہے اسی طرح وہاں کا یہ پل ایسا ہی ہے جیسے دنیا میں اسلام' بالفاظ دیگر یہ وہی اسلام ہے جو پل کی شکل میں لایا گیا۔

لہٰذا جو لوگ دنیا میں اسلام سے دور رہے ہیں وہ دوسرے راستے سے جہنم میں ڈالے جائیں گے' بلکہ پل نصب کرنے سے پہلے پہلے دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے منافقین اپنے عمل کے مطابق پل تک پہنچنے میں تو کامیاب ہوجائیں گے مگر اسے عبور نہیں کرسکیں گے بلکہ حسب عمل کچھ کم وبیش طے کرکے پھر گریں گے۔

مخلصین میں جو جتنا اسلام میں متزلزل رہا ہوگا وہ وہاں بھی مشکلات کا شکار ہوگا اور جو جتنی سہولت واطمینان کے ساتھ اسلام کی حالت میں فوت ہوا ہوگا اور اس کی کوئی بات اس کے لئے مشکل ثابت نہ ہوئی تو وہ ادھر بھی اتنی ہی سہولت کے ساتھ گذرے گا۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ حوض کوثر کا پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی مثالی شکل ہے۔ تارکِ سنت والجماعت اسے نوش نہ کرسکے گا۔

میدان حشر میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کو حسب اعمال روشنیاں عطا کردی جائیں گی مثلاً کسی کی پہاڑ کی مانند زیادہ ہوگی اور کسی کی درخت کی جتنی لمبی ہوگی پھر یہ روشنی ان کو پل عبور کرنے میں کام آئے گی۔

منافقین کو کچھ دیر کے لئے تھوڑی سی روشنیاں دے دی جائیں گی جن سے ان کو بھی وقتی خوشی ہوگی کہ ہمارا کام بن گیا۔ گویا دنیاوی خوش فہمی کی طرح وہاں بھی خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے، یہ مکافات العمل ہے جس طرح کفار کو قدم قدم پر سوالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ کس کی عبادت کی تھی؟ کیوں کی تھی، تمہیں وہ معبود آج کیوں نہیں بچاتے؟ وغیرہ اسی طرح منافقین کے ساتھ بھی ان کے عمل کی طرح برتاؤ کیا جا رہا ہے چنانچہ ان کی روشنیاں پل کے کچھ فاصلے تک کام دیں گی۔ پھر گل کر دی جائیں گی اہل ایمان والا تقان آگے بڑھتے رہیں گے منافقین اس آدمی کی طرح ہو جائیں گے جس کا حال اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔'' (البقرہ: ۱۷، ۱۸)

''او کصیب من السماء'' الخ میرے بھائی! قرآن سمجھنے کی کوشش کرو اللہ تم پر علوم کے بہت سے دروازے کھول دے گا ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ مذکورہ آیت تو ان کی دنیوی حالت کے بیان کے لئے ہے، کیونکہ ''لكل آية منها ظهر و بطن''۔ (تدبر و تشکر)

بہر حال جب یہ لوگ گھپ اندھیرے میں رہ جائیں گے تو ایمان والوں کو

آواز دیں گے کہ تھوڑا رکو کہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں ہم تو ساتھی تھے لہٰذا اب ہمیں تنہا نہ چھوڑو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم
بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ
آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا
فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ
الْعَذَابُ ﴿١٣﴾ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ
أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ
اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا
مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوَاكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾

"جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔ (اور یہ وہ دن ہوگا) جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے (پل صراط پر) کہیں گے کہ (ذرا) ہمارا انتظار کرلو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) روشنی تلاش کرو پھر ان (فریقین) کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ (بھی) ہوگا۔ (جس کی کیفیت یہ ہے کہ) اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی (یہ جنت کی سمت) اور بیرونی جانب کی طرف عذاب

ہوگا۔ یہ (منافق) ان کو پکاریں گے کہ کیا (دنیا یا محشر میں) ہم تمہارے
ساتھ نہ تھے؟ وہ (مسلمان) کہیں گے کہ ہاں (تھے تو سہی) لیکن تم نے
اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور (اسلام کے حق
ہونے میں) تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں
ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آ پہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے
(یعنی شیطان) نے اللہ کے بارے میں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا غرض آج
نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے
وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ (واقعی) برا ٹھکانہ ہے۔" (الحدید ۱۲۔۱۵)

مطلب یہ ہے کہ روشنی ملنے کی جگہ پل صراط نہیں' بلکہ پیچھے دنیا ہے یا میدان محشر ہے تم واپس جا کر روشنی حاصل کر کے لاؤ مگر ان کو لوٹنا کہاں نصیب ہوگا وہاں تو ایسے اندھیرے نے گھیر لیا ہوگا' (جو بظاہر کفر کا ہی اندھیرا ہے یا دنیا کی خواہشات وغیرہ کی تاریکی ہے) جس سے یہ لوگ نکلنے والے نہیں اسی اندھیرے میں گر کر واصل جہنم ہو جائیں گے "صم بکم عمی فھم لا یرجعون" بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔ تذکر و تدبر

اللہ عزوجل ہمیں اخلاص عطا فرمائے اور کفر و نفاق سے ہماری حفاظت فرمائے اور موت سے پہلے مقبول اور سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے' اللہ ہمارا خاتمہ بالایمان نصیب فرمائے اور موت سے دخول جنت تک سب منازل کو آسان بنا دے' قبر اور محشر کی سختیوں سے محفوظ فرما دے اور پل صراط کو بڑی آسانی سے عبور کرا دے' ہنستے ہنستے تمام عزیزوں اور رفیقوں کے ہمراہ جنت الفردوس میں داخلہ نصیب فرمائے۔

یا رب یا کریم یا غفار یا ستار یا اللہ یا رحمن یا رحیم اللّٰھم اجرنی

من النار اللّٰھم اجرنی من النار اللّٰھم اجرنی من النار۔

احوال جہنم:۔

جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اہل نار پہلے ہی دوزخ میں داخل کردیئے جائیں گے'اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ ان کی جماعت بندی محشر میں ہی کردی گئی تھی اب وہ اپنے اپنے لیڈروں اور قائدین کے پیچھے پیچھے دوزخ کے مختلف دروازوں سے داخل ہونگے کوئی جماعت پہلے پہنچے گی اور کوئی تاخیر سے۔

ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے سخت نفرت پائی جائے گی' اور جب بھی موقعہ ملے گا' ایک دوسرے پر نظر پڑے گی تو اپنے غصے' بغض اور نفرت کا اظہار کریں گے اس کی ایک مثال درج ذیل ہے کہ جب یہ لوگ گروہ در گروہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هَٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾
قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾
قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هَٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾
وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ أَتَّخَذْنَاهُمْ
سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ
النَّارِ ﴿٦٤﴾

"یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کے لئے دوزخ میں) گھس رہے ہیں' ان پر خدا کی مار یہ بھی دوزخ ہی میں آرہے ہیں (وہ داخل ہونے والے کہیں گے) تمہارے ہی اوپر خدا کی مار (کیونکہ) تم ہی تو یہ مصیبت) ہمارے آگے لائے سو (جہنم) بہت

ہی برا ٹھکانہ ہے۔ وہ دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو شخص اس (مصیبت) کو ہمارے آگے لایا ہو اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجیو' اور وہ لوگ کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو (دوزخ میں) نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں (شریروں) میں شمار کرتے تھے؟ کیا ہم ان کا مذاق اڑاتے رہے یا ان کے (دیکھنے) سے (ہماری) نگاہیں چکرا رہی ہیں یہ بات یعنی دوزخیوں کا لڑنا جھگڑنا سچی بات ہے (جو ہو کر رہے گی)۔"

(آیت:۵۹۔۶۴)

جو لوگ دوزخ میں پہلے پہنچے ہیں ان کے بارے میں عام مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ قائدین اور پیشواؤں کی جماعت ہو گی جبکہ بعد میں آنے والے مقلدین اور متبعین ہونگے' مگر اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر دنیاوی تقدم و تاخر کے اعتبار سے ہو کہ اولین پہلے جائیں گے اور آخرین بعد میں تاکہ ابتداءً تفاوت قائم ہو جائے یعنی زیادتی کفر کے اعتبار سے اولین کو پہلے داخل کیا جائے گا۔ تدبر واللہ اعلم وعلمہ اتم

اس توجیہ کے مطابق داخل ہونے والوں کا یہ کہنا کہ تم ہی تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ہو باعتبار ترویج کے ہے یعنی اگر تم ہم سے پہلے کفر کا راستہ نہ اختیار کرتے اور ہمیں غلط راستہ ہموار کر کے نہ دیتے' کیونکہ ہم نے تو اسی ماحول میں سانس لیا جہاں باپ دادا نے کفر اختیار کیا تھا تو ہم کفر سے بچ جاتے اور صراط مستقیم اور فطرت و دین فطرت پر رہتے۔ اس لئے یہ سب قصور تمہارا ہی ہے کیونکہ ہم نے تو تمہاری ہی (باپ دادا کی) تقلید کی ہے جس کی بناء پر ہم یہاں پہنچے۔

دوزخیوں کا یہ کہنا کہ آج ہم ان لوگوں کو کیوں نہیں دیکھ رہے ہیں جن کو ہم اشرار یعنی شر پسند، شدت پسند، انتہا پسند اور شریر سمجھتے تھے بلاشبہ ان سے مراد اہل اسلام ومسلمان ہیں۔

ملل کفریہ کے پیروکار یہی سمجھتے ہیں کہ مسلمان کج راہ ہیں اور یہ بات فی نفسہ اگر چہ بہت بھاری اور انتہائی غلط ہے مگر ان سے چونکہ اللہ کی توفیق سلب ہو چکی ہے اس لئے یہ بہت زیادہ تعجب خیز نہیں کیونکہ وہ جانتے نہیں اور احمقوں اور پاگلوں کی بات قابل التفات نہیں کہ آخر علماء ومجاہدین کیوں شر پسند سمجھے جاتے ہیں؟

مگر صد افسوس کہ آج اسلام کا دعویٰ کرنے والے حکمران اور ان کے حاشیہ نشین بھی اس بات کو برملا اور اعلانیہ کہتے ہیں وہ اس کے انجام سے بالکل بے خبر ہیں، اس کی توجیہ یہی کی جاسکتی ہے کہ کفار نے پروپیگنڈا کیا اور منافقین نے اسے پروان چڑھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کبھی آدمی ایسی بات کہتا ہے جس میں وہ حرج نہیں سمجھتا مگر اس کی وجہ سے وہ ستر سال تک آگ میں گرتا رہتا ہے۔

حديث حسن غريب من هذاالوجه

(ترمذی باب ماجاء من تکلم بالکلمۃ لیضحک الناس ص:۵۷ ج:۲)

میرے بھائی! اپنے اندر غور اور تدبر کا ملکہ پیدا کر، لوگوں کی افواہوں میں نہ آ، شیطان اور اس کے آلہ کار لوگ بڑے مکار ہوتے ہیں، یہ معاشرہ کی جس رنگ وڈھنگ سے اصلاح کرنا چاہتے ہیں اسے اللہ نے فساد کہا ہے یہ اہل اسلام کو مفسد گردانتے ہیں اور روز اول سے مسلمانوں اور مخلصین کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف ہیں اور اپنے اس عمل کو منصوبۂ امن سے تعبیر کرتے ہیں مگر اللہ فرماتا ہے۔

أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ ٱلْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿١٢﴾

''جان لو وہی (کفار و منافقین) فسادی ہیں لیکن نہیں سمجھتے۔'' (البقرہ:۱۲)

دوزخ کے طبقات اور جنت کے درجات:۔

جس طرح جنت کے درجات ہیں اسی طرح جہنم کے بھی کئی طبقات ہیں جن کی تعداد سات ہے۔

جہنم کے مختلف طبقات لوگوں کے عمل کے لحاظ سے مختلف درجات کی وجہ سے ہیں کہ سارے لوگ اگرچہ زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہیں مگر ان کے کردار و مقامات الگ الگ ہیں' انہیں اختلاف اعمال کی بناء پر مختلف منازل میں رکھا جائے گا۔ تاہم جنت کے مقامات کے لئے لفظ درجات استعمال ہوتا ہے جبکہ جہنم کی منازل کو درکات و طبقات کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت کے درجات اوپر کی طرف جاتے ہوئے عرش تک جا پہنچتے ہیں یعنی آخری جنت ''جنت الفردوس'' کی چھت عرش ہے اور لفظ درجہ اس کے لئے انسب تھا جبکہ دوزخ کی منزلیں نیچے کی جانب جاتی ہیں اور اس کے لئے لفظ طبقہ اور درک مناسب ہے۔

یوں سمجھنا چاہیے کہ جب قیامت کے دن سارے آسمان ٹوٹ جائیں گے تو زمین سے اوپر جنتیں منکشف ہو جائیں گی اور نیچے دوزخ نظر آ جائے گی۔

پھر بعض علماء کے مطابق اسکو اتنا بھڑکایا جائے گا کہ اس کے شعلے زمین کی سطح تک بلند ہو جائیں گے مگر احادیث کی رو سے فرشتے اسے کھینچ کر لائیں گے جنتیوں کو اوپر چڑھایا جائے گا اور دوزخیوں کو مسطح شدہ زمین سے پھینک کر نیچے گرا دیا جائے گا۔

جنتیوں کے درجات میں الاعلیٰ فالاعلیٰ افضل ہوتا ہے یعنی جو درجہ جتنا زیادہ اوپر ہے وہ اتنا ہی افضل ہے۔

جہنم کے طبقات اس کے برعکس ہیں سب سے اوپر نسبتاً کم گرم ہے جو بظاہر ان مؤمنین کے لئے ہے جو جنت کے داخلہ سے مؤخر کر دیئے گئے ہوں جبکہ سب سے نیچے کا طبقہ منافقین کے لئے مختص ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿۱۴۵﴾

"بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔" (النساء:۱۴۵)

گویا منافق کو باقی چھ طبقات سے گزر کر درک اسفل میں جانا پڑتا ہے چونکہ اس کی حیثیت تہہ خانے کی طرح ہے اس لئے یہ سب سے زیادہ گرم اور ہولناک ہے دوسرے یہ کہ منافق اسلام کا تمسخر کیا کرتا تھا اس اعتبار سے اس کا جرم ڈبل ہو گیا کفر اور فریب و دھوکہ تو یہ اس کا مستحق ٹھہرا۔

پھر منافق کی مشہور تعریف یہ ہے کہ جو شخص بظاہر مسلمان ہو مگر اس کے دل میں کفر پوشیدہ ہو تو وہ منافق ہے دوسری تعریف جو خازن نے "قیل" کے ساتھ نقل کی ہے' یہ ہے کہ منافق وہ ہے جو اسلام کا اقرار کرتا ہو لیکن شریعت پر عمل نہ کرتا ہو اور جو شخص بظاہر تو متشرع ہے مگر اس سے گناہ مثلاً جھوٹ' وعدہ خلافی اور لڑائی میں گالی وغیرہ سرزد ہو جائے تو اسے تغلیظاً اور مبالغۃً منافق کہا جاتا ہے۔

"وقیل هو الذی یصف الاسلام بلسانه ولایعمل بشرائعه ولایتقید بقیوده ولایدخل تحت احکامه

واما تسمية من ارتكب مايفسق به منافقاً فللتغليظ "۔

(تفسیر خازن ص:۴۱۵)

ممکن ہے کہ دونوں تعریفوں میں فرق عصری حالات وتقاضوں کے مطابق کیا گیا ہو۔ (تدبر) بہر حال اگر اس تعریف کو صحیح مانا جائے تو شاید ہی آج کوئی نفاق کی دلدل سے بچ سکے کیونکہ اور تو اور خود مسلمانوں میں لاتعداد لوگ ایسے ہیں جو اسلام کے دعوے کے باوجود اس کے احکامات کی پرواہ نہیں کرتے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، حقوق وفرائض اور حلال وحرام میں سے کوئی شعبہ آج ایسا نہیں جس میں لوگ سستی اور غفلت نہ کرتے ہوں۔

آگوں کی آگ کا مختصر تعارف:۔

جہنم کی آگ کی شدتِ حرارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ روز قیامت ایک ایسے دوزخی کو لایا جائے گا جسے دنیا میں سب سے زیادہ نعمتیں اور آسائشیں میسر تھیں پھر اسے جہنم میں غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا اے ابن آدم (آدمی) کیا تم نے کبھی زندگی میں کوئی نعمت یا آسائش دیکھی تھی؟ یا تیرے قریب سے بھی نعمت کا گذر ہوا تھا؟ وہ جواب دے گا اے میرے رب! تیری ذات کی قسم ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

(مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص:۳۸۱ ج:۲) پر ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ آگ جس کو آدمی جلاتے ہیں جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک جزء (وحصہ) ہے صحابہؓ نے عرض کی اے اللہ

کے رسول یہ (دنیاوی آگ) بھی تو کافی تھی آپ نے فرمایا وہ اس سے ٦٩ گنا زیادہ ہے سب (حصے) اس جیسے ہیں۔

اندازہ لگائیے کہ ہم جتنی گرمی برداشت کر سکتے ہیں جب درجہ حرارت پچاس سینٹی گریڈ تک پہنچتا ہے تو لوگ مرنے لگتے ہیں اخبارات میں خبریں چھپتی ہیں کہ گرمی کی وجہ سے اتنی ہلاکتیں واقع ہوئیں تمام ذرائع ابلاغ میں گرمی کے اس پیمانہ اور شدت کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ مذکورہ گرمی آگ کا انیس واں حصہ ہے کہ آگ کا درجہ حرارت ایک ہزار سینٹی گریڈ ہے علی ہذا جہنم کی آگ کا درجہ حرارت ستر ہزار سینٹی گریڈ ہوا اعاذنا اللہ منہا۔ جبکہ مجموعی درجہ حرارت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ مزید تکلیف کے لئے جہنمیوں کے اجسام کا حجم بڑھا دیا جائے گا حتیٰ کہ دوزخی کا ایک دانت احد کے پہاڑ کی مانند ہوگا کھالیں انتہائی موٹی ہوں گی مگر پھر بھی وہ چند لمحات میں جل کر جب کوئلہ نما بنیں گی تو ان کی جگہ دوبارہ نئی کھالیں چڑھادی جائے گی تاکہ بدن کا کوئی حصہ سن ہو کر بے حس نہ ہونے پائے مزید یہ کہ تارکول اور گندھک کا لباس پہنے ہوئے ہوں گے۔

پھر اس کے ساتھ اس میں انتہائی توحش اور اندھیرا بھی ہے کیونکہ دوزخ کی آگ کالی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے گلوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے' زنجیروں میں جکڑ کر لمبے لمبے ستونوں کے ساتھ انہیں باندھ دیا جائے گا تاکہ جلتے جلتے ذرا حرکت نہ کر سکیں کیونکہ ادھر ادھر حرکت کرنے اور تڑپنے سے کچھ برائے نام ہی سہی تخفیف ہو سکتی ہے پھر اس آگ کو اوپر سے پاٹ دیا جائے گا۔ نعوذ باللہ من النار وحرھا اللّٰھم اجرنا منھا یاخیر مستجار۔

دوزخیوں کا کھانا پینا:۔

دنیوی تقاضوں کی طرح جہنم میں بھی دوزخیوں کو بھوک اور پیاس لگے گی تاہم اس کی شدت بہت زیادہ ہوگی وہاں کی بھوک ان کو بہت ہی تڑپائے گی اور پیاس انتہائی ستائے گی اس لئے یہ لوگ جب کھانے کا مطالبہ کریں گے تو پیٹ بھرنے کو ضریع (کانٹے دار جھاڑ) دیا جائے گا جو انتہائی کڑوا ہوگا۔

حضرت مجاہدؒ عکرمہؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ضریع کانٹے دار جھاڑ ہے اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔"لیس لھم طعام الا من ضریع"۔"ضریع کے سوا ان کا کچھ اور کھانا نہ ہوگا۔"

پھر یہ بھوک کو ختم بھی نہیں کرے گی بلکہ اس سے تکلیف میں اضافہ ہی ہوگا اللہ جل شانہ فرماتے ہیں"لا یسمن ولا یغنی من جوع"۔"نہ تو وہ فربہ اور موٹا کرے گا اور نہ ہی بھوک مارے گا۔" جب اسے نگلنے کے لئے پانی مانگیں گے تو انتہائی گرم پانی دیا جائے گا پانی کیا ہوگا بلکہ پیپ اور زخموں سے رستا ہوا مادہ ہوگا جو تیل کی تلچھٹ کی مانند ہوگا جب دوزخی کو پینے کے لئے قریب کر دیا جائے گا تو اسکا منہ بھون دے گا اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے درمیان تک چلا جائے گا اور نچلا ناف تک اتر جائے گا جس کی وجہ سے وہ انتہائی بدشکل اور ترش رو ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں ان کو زقوم (تھوہر) بھی دیا جائے گا جس کی حالت اللہ عزوجل نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَٰهَا فِتْنَةً لِّلظَّٰلِمِينَ ﴿٦٣﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِىٓ أَصْلِ ٱلْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُۥ رُءُوسُ ٱلشَّيَٰطِينِ ﴿٦٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَءَاكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِـُٔونَ مِنْهَا ٱلْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾

''ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے موجب امتحان بنایا ہے وہ ایک درخت ہے جو قعر (جڑ) دوزخ میں نکلتا ہے اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے' اور اسی سے پیٹ بھریں گے' پھر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ میں) ملا کر دیا جائے گا۔''

(الصافات: ۶۳۔۶۷)

ترمذی میں ابن عباسؓ سے صحیح مرفوع حدیث ہے کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دار دنیا میں ٹپکایا جائے تو اہل دنیا کی معیشت کو بگاڑ دے گا تو جس کی غذا یہ ہو گی اس کا حال کیا ہو گا؟

اور صرف کھانا پینا ہی تلخ اور تکلیف دہ نہ ہو گا بلکہ ایک اور صحیح حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں کے سروں پر حمیم (کھولتا ہوا گرم پانی) ڈالا جائے گا تو وہ داخل ہو کر دوزخی کے پیٹ تک پہنچ جائے گا' اور جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے اُسے کاٹ ڈالے گا یعنی آنتوں' کلیجے اور گردوں وغیرہ کو یہاں تک کہ یہ چیزیں اس کے قدموں کے نیچے سے یعنی دبر کے راستے سے نکل جائیں گی اور یہی مراد ہے (صہر) سے (جو قرآن میں ہے) پھر اسے دوبارہ بحال حسب سابق کر دیا جائے گا (یعنی یہ سلسلہ جاری رہے گا

اور کبھی ختم ہونے کا نام نہ لے گا) (ترمذی باب ماجاء فی صفۃ شراب اہل النار ص:۸۵ ج:۲)

یہ اہل جنت سے بھی پانی کی درخواست کریں گے جس پر ان کو مایوس کن جواب دیا جائے گا یہ داروغہ سے بات کرنا چاہیں گے تو وہ ایک ہزار سال بعد جواب میں کہیں گے۔ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو، پھر اللہ کو پکاریں گے تو وہ ان کو بات کرنے سے منع فرمادے گا پھر یہ گدھے کی طرح ڈینگنے لگیں گے اور حسرت اور ویل کو پکاریں گے۔

اللّٰھم نعوذبك من سوء الخاتمة و نعوذ بك من نار جهنم و حرها واعوذ بك من النار و ماقرب اليها من قول او عمل اللّٰھم انی اسئلك الخير والعفو والعافية والمعافاة فی الدنيا والآخرة

اعراف والے:۔

اہل جنت اور دوزخیوں کے علاوہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت یا دوزخ میں سے کسی ایک کے مستحق نہیں ہونگے یعنی دوزخ سے بچ نکلنے میں تو کامیاب ہوگئے ہوں گے تاہم جنت کے فوری داخلے کے ابھی اہل نہیں ہونگے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ تو اس بارے میں مفسرین کے اقوال متعدد ہیں مگر ظاہر اور راجح یہ لگتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں مساوی ہوں گی اس لئے ان کے حق میں ابتدائی فیصلہ اعراف پر رہنے کا ہوگا۔

اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک بلند مقام ہے جہاں سے دونوں فریق اور مقامات نظر آتے ہیں اعراف دراصل ایک آڑ ہے جو جنت کا اثر دوزخ تک

اور دوزخ کا اثر جنت تک نہ جانے دے گی۔

اعراف والے جب جنتیوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے تم پر سلامتی ہو اور جب جہنمیوں پر نظر پڑے گی تو فرمائیں گے اے رب ہم کو گناہ گاروں کے ساتھ مت کیجئے پھر حسب توقع اللہ عزوجل اپنے کرم سے ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾ أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾

''اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ ہر ایک (جنتی اور دوزخی) کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم ابھی یہ (اہل اعراف) اس میں (یعنی جنت میں) داخل نہیں ہوئے ہونگے اور اس کے امیدوار ہونگے اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ پر پڑیں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجیے اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں (دوزخیوں) کو جن کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا

سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا' کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہ کرے گا۔ (ان اہل اعراف کو یوں حکم ہوگا کہ) جاؤ جنت میں تمہیں نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہوگے۔" (اعراف:۴۶۔۴۹)

اس طرح اہل اعراف بالآخر جنت ابدی میں داخل کر دیئے جائیں گے اہل اعراف کے علاوہ وہ گنہگار مؤمنین بھی انجام کار جنت میں لائے جائیں گے جو ابتداء دوزخ کی آگ میں ڈالے گئے تھے غرض اب کوئی مؤمن جنت سے باہر نہیں رہے گا خواہ وہ جتنا کمزور ایمان والا کیوں نہ ہو' تاہم یہ داخلے کا سلسلہ جو بتدریج جاری رہے گا اس کو کتنا عرصہ لگے گا؟ سینکڑوں سال یا ہزاروں قرون؟ یہ صرف اللہ عزوجل کو ہی معلوم ہے۔

اس سے یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہے کہ تمام مؤمنین جنت میں یکبارگی داخل نہیں ہونگے بلکہ اپنے اپنے اعمال و مقام کے مطابق کوئی بہت ہی پہلے جائے گا اور پل صراط کو عبور کرے گا اور کوئی کسی خامی کی وجہ سے تاخیر سے جائے گا یہاں تک کہ بعض ایسے لوگ بھی ہونگے جو پل کو عبور کرتے کرتے نیچے آگ میں گر جائیں گے وہ سفارش کی وجہ سے یا اللہ عزوجل کی رحمت خاصہ کی بناء پر نکالے جائیں گے۔ کسی کو عبور کرنے میں کامیابی تو ہوگی مگر دقت اور شدید مشکل کے بعد جس میں بہت عرصہ لگ سکتا ہے۔

غرض اہل ایمان پل پر مختلف انداز سے گذریں گے کوئی آنکھ جھپکتے ہی' کوئی بجلی کی طرح' کوئی ہوا کی طرح' کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح' کسی کو خراشیں آئیں

گی اسی طرح امتوں، فقیروں اور معذورین، صابرین کے لحاظ سے بھی تقدم وتاخر ہوگا۔ سب سے پہلے جنت کے دروازے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھولے جائیں گے۔ بالفاظ دیگر جنت کا افتتاح محمد مصطفیٰ نبی آخر الزمان اور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔

موت کا خاتمہ:۔

جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ جم جائیں گے تو ان کو آواز دی جائے گی اعلان ہوگا تاکہ سب سن لیں اور دیکھ لیں اس کے ساتھ موت کا جسم مثالی جو دنبے کی طرح ہوگا (جیسا کہ حیات کا جسم مثالی گھوڑے کی مانند ہے) لایا جائے گا اور دونوں فریق سے کہا جائے گا کہ اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے پھر اسے ذبح کر کے اعلان ہوگا کہ موت کا خاتمہ ہو گیا ہے اب ہمیشہ رہنا ہے۔ اگر خوشی سے موت آتی تو اہل جنت مر جاتے اور اگر غم سے موت واقع ہوتی تو اہل دوزخ مر جاتے۔

جنات النعیم:۔

اگر انسان پر دنیا میں بہت سی پابندیاں ہیں تو اس لئے کہ دنیا امتحان وآزمائش کی جگہ ہے، جس کا تقاضا ہے کہ اسے مکلف بنایا جائے ایمان بالغیب کا پابند بنایا جائے اور ایسے امور کا حکم دیا جائے جو خواہشات سے بظاہر ہی سہی متصادم ہوں یعنی ایسی صورتحال پیدا کر دی جائے جس سے فرمانبردار اور نافرمان میں امتیاز ہو، تاہم اس میں کوئی آزمائش استطاعت انسانی سے باہر اور برداشت سے بالاتر نہیں رکھی دوسری طرف عیش کا کل سامان آخرت سے غفلت کا موجب بھی بنتا تھا اس لئے دنیا

میں اسباب خواہشات کو محدود رکھا اور جو ہیں ان میں سے بعض پر پابندی لگا دی حتی کہ ان میں بعض ایسے سخت قانونی پہرے میں گھرے ہوئے ہیں کہ اس پہرے کا توڑنا موجب ہلاکت ہے۔

مگر جنت امتحان و آزمائش کی جگہ نہیں وہاں عمل مطلوب نہیں ہوتا بلکہ عمل کی جزاء ملتی ہے وہاں کسی قسم کا کام مطلوب نہیں کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کوئی تکلیف نہیں، دوسری جانب اللہ عزوجل کی خلقت بہت وسیع بلکہ لامتناہی اور لامحدود ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اطاعت گذار کو جو انعامات عطاء فرمائیں گے وہ تصور اور خواب وخیال سے بہت بڑھ کر ہوں گے۔لہٰذا جس کا جو بھی جی چاہے گا وہ چیز اسے بلا قیمت، بلا محنت اور بدون انتظار میسر ہوگی، نہ اس میں انقطاع کا ڈر ہوگا نہ ختم ہونے کا، اور نہ محروم ہونے کا اندیشہ ہوگا بلکہ سب جنتی ہمہ وقت اللہ کے مہمان ہونگے اور مہمان بھی ہمیشہ کے لئے ہوں گے، نہ انہیں کمانے کی فکر ہوگی اور نہ تیار کرنے کی بس ایک آواز پر دروازے پر سینکڑوں ہزاروں غلمان بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند حاضر خدمت ہوں گے، جگوں میں مشروبات اور ماکولات ومطعومات لئے انتہائی تواضع کے ساتھ مدارات کریں گے۔

یہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ مشغول اور خوش وخرم ہوں گے محلات اور باغات میں جدھر چاہیں بیٹھ جائیں نہروں اور درختوں میں سے جس کو چاہیں اپنی طرف بلالیں دودھ کی نہر جہاں لے جانا چاہیں ان کو اختیار ہوگا، شہد کی نہر پر بھی انہیں تصرف کا حق حاصل ہوگا، شراب کی نہر اور چشمے درختوں کے نیچے بہتی ہوئی دیکھنا چاہیں یا گھروں کے اندر لیجانا چاہیں یہ ان کی مرضی پر منحصر ہوگا۔علاوہ ازیں جو خالص شراب

بوتلوں میں سر بند ملیں گی ان میں دردِ سر اور فتورِ عقل کی کوئی آمیزش نہیں ہوگی وہ اعلیٰ قسم کی شراب ہوگی جس سے لطف میں اضافہ تو ہوگا مگر بے ہودگی اور سر گرانی سے پاک ہوگی' اس میں سے جتنا مرضی ہو پی لیں کوئی کمی نہ ہوگی تاہم بطور لطف اور خوش طبعی کے باہم چھینا جھپٹی ہوگی۔

پانی کی نہروں کا بھی یہی حال اور کمال ہے یہ سب جنت الفردوس سے نکلتی ہیں جو تمام جنتوں میں اعلیٰ اور عمدہ ہے اللہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

پھلوں اور میووں کی تو بات ہی اور ہے آپ چاہیں تو خشک میوے منگوالیں یا تازہ تڑوالیں' خود توڑنا چاہیں گے تو اس کا الگ مزہ یا درخت کی شاخ کو بلانا چاہیں تو بھی لطف سے خالی نہیں' پھر مزے کی بات یہ ہے کہ پھلوں کی شکل اور رنگ تو ملتا جلتا ہوگا مگر ذائقہ اور لذت سب کی علیحدہ ہوگی اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ جہاں سے پھل توڑے جاتے ہیں وہاں فوراً دوسرے آجاتے ہیں تاکہ کمی کا وہم بھی پیدا نہ ہو۔

حور عین کا قصہ بھی کوئی کم تعجب خیز نہیں بھرپور حسن والی نوجوان کنواری لڑکیاں جن کی آنکھیں موٹی موٹی ہونے کے ساتھ آنکھوں کی سفیدی تیز ہوگی اور سیاہ حصہ اس میں نمایاں سیاہی کی وجہ سے حد درجہ جاذب نظر خوبصورت ہوگا۔ اوپر سے لمبی لمبی پلکیں حیا کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی وہ اپنے شوہروں سے بے تحاشا محبت کرنے والی ہوں گی وہ ہر قسم کی غلاظت سے پاک ہونگی نہ بول و براز کا عارضہ ان کو لاحق ہوگا' اور نہ پسینے کی بدبو اور نہ ہی منہ اور بغلوں کا تعفن ان کی قدر میں کمی کا سبب بن سکیں گے کہ وہ ان خامیوں سے پاک اور مکمل بے عیب ہیں اور گوری گوری یہ حسین لڑکیاں ہمہ وقت ہمہ تن اپنے شوہروں کی خوشنودی بڑھانے میں کوشاں رہیں گی'

تختوں پر اور جہاں جنتی چاہیں گے ان کی مرضی کے مطابق منتخب جگہوں میں دلہنوں سے بڑھ کر لذت کا سامان مہیا کریں گی۔ نہ تو ان کی باتوں سے جی بھرے گا نہ دیکھنے سے آنکھیں سیر ہوں گی، اور نہ سننے سے دماغ تھکیں گے اور نہ ہی چھونے سے فتور جسمانی کا احساس ہوگا۔

جنتیوں کی جوانی بھی دائمی ہوگی تینتیس سال کی عمر میں جو مجموعی انسانی حیات میں نسبتاً شباب کا خوشگوار موڑ ہوتا ہے جنت میں داخل ہوں گے اور پھر اسی حال پر رہیں گے، بس رہیں گے اور رہیں گے کبھی ختم اور فنا نہ ہوں گے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔

هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

''ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا (یعنی سابقہ آیات میں قصص انبیاء) اور پرہیز گاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے واسطے کھلے ہوں گے وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (اور) وہ وہاں (جنت کے خادموں سے) بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی۔ (اے مسلمانو!) یہ وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے بے شک یہ ہماری عطا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔'' (ص:۴۹۔۵۴)

اور ارشاد ہے۔

إِنَّ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ ٱلْيَوْمَ فِى شُغُلٍ فَٰكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَٰجُهُمْ فِى ظِلَٰلٍ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَٰكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَٰمٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾

''بے شک اہل جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش دل ہوں گے وہ اور ان کی بیبیاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان کے لئے وہاں (ہر طرح کے) میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔''

(یٰسٓ: ۵۵۔۵۸)

یہ مشغلہ جنتیوں کا اپنی بیویوں کے ساتھ کیا ہوگا؟ تو تفسیر مدارک میں ہے۔

هو افتضاض الابكار على شط الانهار تحت الاشجار او ضرب الاوتار وضيافة الجبار۔

''یعنی باکرہ لڑکیوں کی مہریں توڑنا (تاہم ہمبستری کے بعد وہ پہلی حالت پر خود بخود لوٹ جائیں گی) نہروں کے کناروں پر اور درختوں کے نیچے یا سارنگی وغیرہ بجانا اور جبار کی مہمان نوازی۔''

یہ اہل جنت کی مصروفیات اور مشاغل ہیں یعنی دل لبھانے اور بہلانے کے اتنے اسباب ہوں گے کہ منہ مانگی مرادیں ملیں گی اور جس چیز کی دل میں طلب اور تمنا ہوگی وہی دی جائے گی۔

ان کی سواریوں کی تعداد اور خوبصورتی بھی ان کی تمنا کے مطابق ہوگی وہ جس طرح کی سواری چاہیں گے انہیں ملیں گی۔ جنت کی گنجائی اور درختوں کے طول

وعرض کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں ایک درخت ایسا ہے کہ تیز رفتار گھوڑے کا سوار سو سال تک اس کی چھاؤں عبور نہیں کرسکتا۔

پھر وہ درخت دنیوی درختوں کی طرح نہیں بلکہ ان میں سونے کی شاخیں بھی ہیں اور ان کا پھل انسان کے قریب ہوگا آدمی جس طرح چاہے اسے بآسانی کھا سکے گا پھر ہر جگہ نہروں چشموں اور تالابوں کے حسین امتزاج سے اس کا حسن دوبالا ہوگا اور جب اس کے پارکوں اور باغات میں بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح غلمان اور خدام بچے بھی ہوں اور چھپائے ہوئے موتیوں کی مانند گوری گوری سیاہ چشم دوشیزائیں گا رہی ہوں اور کھانے پینے کی جملہ اشیاء مرضی کے مطابق حاضر ہوں اور ہر بات میں کسی قسم کی کمی وخامی نہ ہو پھر وہ سب اشیاء دائمی اور مستقل ہوں نہ وہ لڑکیاں بوڑھی ہوں اور نہ جنتی جوانی سے متجاوز ہوں تو انسانی خواہش کو اور کیا چاہیے؟

مزید برآں ان کے محلات کی خوبصورتی کمال درجہ کی ہوگی ایسے صاف اور شفاف کہ اندر سے باہر کا منظر بآسانی نظر آئے چاروں طرف باغات اور نہروں کا اتنا وسیع سلسلہ کہ کسی غیر آدمی کی شرکت دور دور تک بھی نظر نہ آئے گی۔ پھر ان کے درجات اتنے بلند ہوں گے جیسے افق پر ستارے ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ سب مقامات ایک ہی نقشہ پر بنے ہوئے نہیں ہوں گے بلکہ اگر کہیں سونے چاندی کا محل ہے تو وہیں دوسری جانب اعلی قسم کے خیمے بھی لگے ہوئے ہیں، اگر کسی جگہ انار کے درختوں کا سلسلہ جاری ہے تو وہاں کیلوں کے گنجان باغات بھی ہیں، اسی طرح ایک جانب کھجور کی قطار ہے تو دوسری طرف انگور کی بیلیں اور گچھے ہیں غرض ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ ان کو کسی انسان نے دنیا میں دیکھا ہے اور نہ کبھی خیال میں

ان کا تصور گذرا ہے کیونکہ ہمارا تصور خواہ کتنا بھی وسیع ہو مگر پھر بھی ہر آدمی اپنے ماحول کے اعتبار سے سوچتا ہے اس سے زائد پر کوئی شخص قادر نہیں۔ (تدبر)

یہ تو حال ہوا جسمانی نعمتوں کا وہاں روحانی نعمتیں بھی بکثرت ملیں گی جیسے دیدارِ خداوندی، فرشتوں کا ملنا، اللہ کی طرف سے براہ راست یا بالواسطہ سلام ہونا، جس سے ان کے اکرام اور خوشی میں مزید اضافہ ہوگا، اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملاقاتوں میں جسمانی اور روحانی انبساط اور لطف میں زیادتی ہوگی غرض ان کی خوشی اور مرضی کی ہر وقت رعایت رکھی جائے گی۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

لَهُم مَّا يَشَآءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾

"ان کو بہشت میں وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ نعمت ہے۔" (ق:۳۵)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ

"جنہوں نے بھلائی کی ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید (بھی)۔"

(یونس:۲۶)

یعنی بھلے کام کرنے والوں کو وہاں بھلی جگہ (جنت) ملے گی اور اس سے زیادہ بھی کچھ ملے گا یعنی حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار۔ زیادۃ کی تفسیر دیدار مبارک سے کئی صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے اور بہت سے صحابہ و تابعینؒ سے منقول ہے۔

تفسیر عثمانی میں ہے۔

"حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت

پڑھی اور فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا اے اہل جنت! تمہارے لئے ایک وعدہ خدا کا باقی ہے جواب پورا کرنا چاہتا ہے جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا خدا نے اپنے فضل سے ہماری حسنات کا پلہ بھاری نہیں کر دیا؟ کیا اس نے ہمارے چہروں کو سفید اور نورانی نہیں بنایا؟ کیا اس نے ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت جیسے مقام میں نہیں پہنچایا؟ (یہ سب کچھ تو ہو چکا آگے کونسی چیز باقی رہی؟) اس پر حجاب اٹھا دیا جائے گا اور جنتی حق تعالیٰ کی طرف نظر کرینگے پس خدا کی قسم کوئی نعمت جو ان کو عطا ہوئی ہے دولت دیدار سے زیادہ محبوب نہ ہوگی نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گی۔ رزقنا اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ بمنّہ و فضلہ اللّٰھم انا نسئلك رضوانك

خلاصہ کلام یہ کہ فانی لذتوں سے جاودانی نعمتیں بدرجہا افضل و بہتر ہیں۔ ہر شخص کو کم از کم اتنا خیال تو رکھنا چاہئے کہ دنیا کے مزوں پر آخرت کی لافانی خوشحالی قربان نہ کرے عقلمندی یہ ہے کہ ابدی کا خیال رکھا جائے اسی لازوال زندگی کو پر لطف بنانے کے واسطے دارالفناء میں ایسے اعمال کیے جائیں جن کا ثمرہ ختم نہ ہونے والی زندگی میں مسلسل ملتا رہے گا۔

یقیناً کامیاب تجارت وہی کہلانے کی مستحق ہے جس میں تھوڑا دے کر زیادہ حاصل کیا جائے اسی کا شوق سب کو ہونا چاہئے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔

إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ لَفِى نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِى
وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ ٱلنَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾
خِتَٰمُهُۥ مِسْكٌ ۚ وَفِى ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ ٱلْمُتَنَٰفِسُونَ ﴿٢٦﴾

''بے شک نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے تختوں پر (بیٹھے بہشت
کے عجائبات) دیکھتے ہوں گے اے مخاطب تو ان کے چہروں پر آسائش کی
بشاشت دیکھے گا (اور) ان کو پینے کے لئے شراب خالص سر بمہر جس پر
مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور خواہش کرنے والوں کو ایسی چیز کی خواہش کرنا
چاہئے۔'' (المطففین: ۲۲۔۲۶)

آخری گذارش:۔

مشاہدہ گواہ اور تجربہ ناطق ہے کہ سب لوگ باہم وحدت نوعی کے باوجود ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں رنگ' ساخت' چال اور آواز وغیرہ میں تفاوت کی طرح مزاج بھی یکسر جداگانہ ہوتے ہیں' کوئی آدمی ابوبکر الصدیقؓ کی طرح اشارہ پاتے ہی سمجھ جاتا ہے گویا وہ زیتون کا صاف تیل ہوتا ہے جو آگ کی روشنی دیکھتے ہی جذب کر لیتا ہے اور حقیقت کا پیرو بن جاتا ہے لیکن اکثر لوگوں پر پند و نصیحت کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا ہے' اس کی بنیادی وجہ عقل کی حالت ہوتی ہے بایں معنی کہ اگر طبع سلیم ہو اور عقل خلاف فطرت عناصر اور گندگیوں کی آمیزش سے پاک ہو تو اس پر ملت بیضاء کی ہر بات بآسانی منطبق اور مزاج کے موافق ہوتی ہے مگر عقل کے مکدر ہونے کی صورت میں جب تک ان کدورتوں کو صاف نہیں کیا جاتا تب تک اس پر کوئی بات اثر نہیں کرتی۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں ''ومایذکر الااولوا الالباب'' (آل عمران: ۷) یعنی نصیحت صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کی عقلیں خالص ہوں لہٰذا جس کی عقل میں شکوک ہوں گے اس کو یہ باتیں سمجھانا مشکل ہوگا حتی کہ اگر شکوک وشبہات انکار کی حد تک ہوں تو اس کے سامنے پہاڑ جتنی کتابیں پیش کرنا بھی بے معنی اور بے نتیجہ ثابت ہوگا۔

دیکھئے جس نبی نے صحابہؓ کو بآسانی سمجھا دیا تھا اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل ابولہب اور دیگر سردارانِ قریش کو سمجھانے میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی تھی بلکہ صحابہؓ کی بنسبت ان کو زیادہ دلائل اور معجزات پیش فرمائے تھے مگر ان کا انکار جوں کا توں رہا ان کی ضد اور عناد میں کمی کے بجائے اضافہ ہی اضافہ ہوتا رہا۔

اس لئے میرے بھائی! اپنے قلب اور عقل کو باطنی امراض اور شیطانی شبہات سے پاک صاف رکھنے کی کوشش کرتے رہنا۔

آج کے دور میں اغیار و کفار تو چھوڑیئے اہلیان اسلام میں سے بہت سے نادان مسلمان نصیحت سے اس لئے کتراتے ہیں کہ وہ خود کو اس کا محتاج نہیں سمجھتے' وہ سمجھتے ہیں کہ وہ زیادہ تعلیم یافتہ ہیں جب کہ ائمہ مساجد اور علماء کا علم ان کے علم کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ یہ ایسی بیماری ہے جس کا علاج خود مریض کو کرنا ہے بشرطیکہ وہ سمجھے۔

آخر میں اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور راہ حق پر چلنے کی استطاعت نصیب فرمائے' راہ حق پر استقلال اور خاتمہ بالایمان نصیب فرمائے۔

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوّف و طریقت کی بنیادی کتاب

فتوح الغیب اردو

از

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سلیس، عام فہم اور مستند اردو ترجمہ

از

مولانا محمد اشرف قریشی

قدیمی کتب خانہ

آرام باغ۔ کراچی

شائقینِ علومِ قرآن کے لئے انمول تحفہ

زادِ تیسیر

فی

علوم التفسیر (اُردو)

تاریخ وعلوم القرآن | علوم التفسیر

اقسامِ تفسیر | تعارفِ کتب تفاسیر

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویہ جامعہ اسلامیہ مخزن العلوم

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱

شائقینِ علومِ قرآن کے لئے انمول تحفہ

زادِ یسیر

فی

علوم التفسیر اردو

★ تاریخ و علوم القرآن ★ علوم التفسیر

★ تعارف کتب تفاسیر ★ اقسام تفسیر

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویہ جامعہ اسلامیہ مخزن العلوم

قدیمی کتب خانہ آرام باغ - کراچی